تنویر السراج فی لیلۃ المعراج

تالیف

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ

۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء



البشریٰ

ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ رجسٹرڈ

110

تنویر السراج
فی
لیلۃ المعراج

تالیف

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ
۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء



ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد و صلاۃ

یہ ایک فصل ہے[۱] "نشر الطیب" کی واقعۂ معراج شریف میں، جس کا لقب خود اس احقر نے وقتِ تالیف اصل کتاب کے باحتمالِ اشاعتِ مستقلہ کے رکھ دیا تھا، اب اُس احتمال کو حق تعالیٰ نے محبي محمد عثمان صاحب دہلوی کے ہاتھوں واقع فرمایا۔ صاحب موصوف ہی کی فرمائش پر رسالہ کو أجمع و أنفع بنانے کے لیے آخر میں ایک نہایت نافع و جامع ضمیمہ بھی احقر نے اضافہ کر دیا ہے، جس سے یہ رسالہ اس مبحث میں قریب قریب بے نظیر ہو گیا ہے، وللہ الحمد و بہ التوفیق.

کتبہ

اشرف علی

آخر ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

---

[۱] اس فصل کی روایتیں "مواہب" سے ہیں اور جو دوسری کتاب کی ہیں وہاں ان کے نام کے ساتھ لفظ کذا بڑھا دیا ہے۔

منجملہ کمالاتِ نبویہ عظیمة الشأن کے ایک یہ واقعہ ہے جو مکّہ میں بقول زہری ۵ نبوت کے بعد ہوا۔ (کذا قاله النووي) جس کے راوی اتنے صحابی ہیں: ۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، ۴۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، ۵۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما، ۶۔ حضرت ابنِ عمرو رضی اللہ عنہما، ۷۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، ۱۰۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، ۱۱۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، ۱۲۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، ۱۳۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، ۱۴۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، ۱۵۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، ۱۶۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ، ۱۷۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، ۱۸۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ، ۱۹۔ حضرت ابوحبہ رضی اللہ عنہ، ۲۰۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، ۲۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ۲۲۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ مردوں میں سے۔ اور ۲۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ۲۴۔ حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، ۲۵۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، ۲۶۔ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سے۔ اور ان کے سوا اور بھی اب بعض واقعات لکھتا ہوں۔

واقعہ اول: آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا تھا۔ (رواه البخاري)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ شعبِ ابی طالب میں تھے۔ (رواه الواقدي)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ام ہانی کے گھر تھے۔ (رواه الطبراني)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے گھر میں تھے اور چھت کھولی گئی۔ (رواه البخاري)

فائدہ: جمع ان روایات میں یہ ہے کہ اُمِ ہانی کے گھر کو جو کہ شعبِ ابی طالب کے پاس تھا آپ نے بوجہ سکونت کے اپنا گھر فرمادیا، وہاں سے آپ کو مسجد میں حطیم میں لے گئے اور ہنوز نوم کا اثر باقی تھا کہ وہاں پہنچ کر بھی لیٹ گئے۔

فائدہ: اور چھت کھولنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کو ابتدائے امر ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی معاملہ خارقِ عادت ہونے والا ہے۔

واقعہ دوم: کچھ سوتے تھے، کچھ جاگتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجدِ حرام میں

سوتے تھے کہ آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تین شخص آئے، ایک نے کہا کہ وہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان (حاضرین) میں سے کون سے ہیں؟ دوسرا بولا: وہ جو سب سے اچھے ہیں۔ تیسرا بولا: تو پھر جو سب سے اچھا ہے اسی کو لے لو۔ آیندہ شب کو پھر وہی تینوں آئے اور کچھ بولے نہیں اور آپ کو اٹھا لے گئے۔ (رواه البخاري)

فائدہ: یہ حالت کہ کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے، ابتدا میں تھی اور اسی کو سونا کہہ دیا، پھر آپ جاگ اٹھے اور تمام واقعہ میں بیدار رہے۔ اور بعض روایت میں جو معراج کے آخر میں آیا ہے کہ ''پھر میں جاگ اٹھا''، مراد یہ ہے کہ اس حالت سے افاقہ ہوگیا، اور بعض نے اس زیادت کو غیر محفوظ کہا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ ان حاضرین میں سے کون سے ہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قریش خانہ کعبہ کے آس پاس سویا کرتے تھے۔ (رواه الطبراني) اور ''طبرانی'' ہی میں ہے کہ اول جبریل ومیکائیل آئے اور یہ گفتگو کرکے چلے گئے، پھر تین آئے۔ اور ''مسلم'' میں ارشادِ نبوی ہے کہ ''میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ ان تین میں ایک شخص ہیں جو دو شخص کے بیچ میں ہیں''۔ اور ''مواہب'' میں ہے کہ مراد ان دو شخصوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وحضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان سو رہے تھے۔

واقعہ سوم: اول آپ کا سینہ اوپر سے اسفلِ بطن تک چاک کیا گیا اور آپ کا قلب نکالا گیا اور ایک زرین طشت میں زمزم شریف کا پانی تھا، اس سے آپ کا قلب دھویا گیا، پھر ایک اور طشت آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا، وہ قلب میں بھر دیا گیا اور اس کے اصلی مقام پر اس کو رکھ کر درست کر دیا گیا۔ (كذا رواه مسلم من روايتين عن أبي ذر ومالك بن صعصعة)

فائدہ: ملائکہ کا زمزم شریف سے آپ کے قلب کو دھونا حالاں کہ کوثر سے بھی پانی آسکتا تھا، بعض علما کے نزدیک اس کی دلیل ہے کہ آبِ زمزم اس سے افضل ہے۔ (قاله شيخ الإسلام البلقيني) اور سونے کے طشت کا استعمال باوجود اس کے ممنوع ہونے کے کئی توجیہ کو محتمل ہے: اول یہ کہ تحریمِ ذہب مدینہ میں ہوئی تو اس وقت تحریم نہ تھی۔ (فتح الباري) دوسرے یہ کہ معراج از قبیلِ امورِ آخرت تھی اور آخرت میں استعمال سونے کا جائز ہوگا۔ تیسرے یہ کہ آپ نے استعمال نہیں کیا

اور ملائکہ اس حکم کے مکلّف نہیں۔ (عن ابن أبي جمرة) اور ایمان وحکمت کا طشت میں ہونا اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جواہرِ غیبیہ سے تھی جس سے ایمان اور حکمت میں ترقی ہو، جیسے دنیا کے بعض جواہر کا تلبس واستعمال قلب اور دماغ میں قوت اور فرحت بڑھاتا ہے، چوں کہ وہ سبب تھا حکمت وایمان کا اس لیے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ (کذا قاله النووي)

واقعہ چہارم: پھر آپ کے پاس ایک دابہ سفید رنگ حاضر کیا گیا جو "بُراق" کہلاتا ہے، جو دراز گوش سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا نیچا تھا، جو اس قدر برق رفتار ہے کہ اپنی منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے۔ (کذا رواه مسلم) اور اُس پر زین ولگام لگا ہوا تھا۔ جب آپ سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ تجھ کو کیا ہوا؟ آپ سے زیادہ مکرم عند اللہ کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا، بس وہ عَرَق عَرَق ہوگیا۔ (رواه الترمذي) اور آپ اس پر سوار ہوئے اور جبریل علیہ السلام نے آپ کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ (عن شرف المصطفى برواية أبي سعد)

فائدہ: یہ شوخی بُراق کی غضباً نہ تھی، بلکہ طرباً تھی، پھر آپ کے مرتبہ کی تجدیدِ استحضار وتنبیہ سے خجل ہوکر ساکن ہوگیا، جیسا ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے اور اس کو حرکت ہوئی اور آپ کے اس ارشاد سے ساکن ہوگیا کہ اثبت؛ فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان. اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمانِ دنیا پر پہنچے (رواه البخاري) اور بعض میں آیا ہے کہ آپ کو جبریل علیہ السلام نے بُراق پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ (رواه ابن حبان في صحيحه، والحارث في مسنده) سو ان کو روایتِ بالا سے تعارض نہیں، کیوں کہ ممکن ہے کہ اول اول جبریل علیہ السلام خود بھی اس مصلحت سے سوار ہوئے ہوں کہ آپ کو طبعاً خوف معلوم نہ ہو، پھر اتر کر رکاب تھام لی ہو اور دونوں حالتوں میں گاہ گاہ ضرورت کے موقع پر آپ کو تھامنے کے لیے ہاتھ پکڑ لیتے ہوں۔

واقعہ پنجم: جب آپ منزلِ مقصود کو روانہ ہوئے آپ کا گزر ایک ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے، جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اتر کر یہاں نماز (نفل)

پڑھیے، آپ نے نماز پڑھی، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے یثرب[1] (مدینہ) میں نماز پڑھی۔ پھر ایک سفید زمین پر آپ کا گزر ہوا جبریل علیہ السلام نے کہا: اتر کر نماز پڑھیے، آپ نے نماز پڑھی، جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے مدین میں نماز پڑھی۔ پھر بیت اللحم پر گزر ہوا، وہاں بھی نماز پڑھوائی اور کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (رواه البزار والطبراني، وصححه البيهقي في الدلائل) اور ایک روایت میں بجائے مدین کے طورِ سینا ہے کہ آپ نے طورِ سینا پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے۔ (كذا رواه النسائي)

واقعہ ششم: جس میں عجائب، واقعات برزخ کے ملاحظہ فرمائے، اور وہ یہ ہے کہ آپ کا گزر ایک عجوزہ پر ہوا جو سرِ راہ کھڑی تھی، آپ نے دریافت فرمایا کہ اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ چلیے چلیے، آپ چلتے رہے، ایک بڈھا رستہ سے بچا ہوا ملا کہ آپ کو بلاتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ادھر آیئے، جبریل علیہ السلام نے کہا: چلیے چلیے، اور آپ کا ایک جماعت پر گزر ہوا کہ انھوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام کیا: السلام عليك يا أول، السلام عليك يا آخر، السلام عليك يا حاشر۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ان کو جواب دیجیے۔ اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ بڑھیا جو آپ نے دیکھی وہ دنیا تھی، سو دنیا کی اتنی عمر رہ گئی ہے جیسی بڑھیا کی عمر رہ جاتی ہے، اور جس نے آپ کو پکارا تھا وہ ابلیس تھا اور اگر آپ ابلیس کے اور دنیا کے پکارنے کا جواب دے دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی، اور جنھوں نے آپ کو سلام کیا تھا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ (رواه البيهقي في الدلائل، وقال الحافظ عماد الدين ابن كثير: في ألفاظه نكارة وغرابة)

اور طبرانی اور بزار کی حدیث میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ آپ کا گزر ایسی قوم پر

---

[1] اس وقت تک اس کا نام یہی تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدومِ میمنت لزوم کے بعد سے مدینہ مقرر ہوا۔ اور بعض روایات میں اب یثرب کہنے کی کراہت آئی ہے۔

ہوا جو ایک ہی دن میں بو بھی لیتے ہیں اور کاٹ بھی لیتے ہیں، اور جب کاٹتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کاٹنے کے قبل تھا۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکی سات سو گنا تک بڑھتی ہے اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ پھر ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں اور جب وہ کچلے جا چکتے ہیں تو پھر حالتِ سابقہ پر ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ذرا بند نہیں ہوتا، آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے سر گرانی کرتے ہیں۔ پھر ایک قوم پر آپ کا گزر ہوا کہ ان کی شرم گاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ مواشی کی طرح چر رہے تھے اور زقوم اور جہنّم کے پتھر کھا رہے تھے، آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

پھر آپ کا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور ایک ہنڈیا میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، وہ لوگ اس سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں سے وہ مرد ہے جس کے پاس حلال طیب بی بی ہو اور پھر وہ ناپاک عورت کے پاس آوے اور شب باش ہو یہاں تک کہ صبح ہو جاوے، اسی طرح وہ عورت ہے جو اپنے حلال طیب شوہر کے پاس سے اٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس آوے اور رات کو اس کے پاس رہے یہاں تک کہ صبح ہو جاوے۔

پھر ایک شخص پر گزر ہوا جس نے ایک بڑا گٹھا لکڑیوں کا جمع کر رکھا ہے کہ وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا اور وہ اس میں اور لا لا کر رکھتا ہے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں ایسا شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے بہت سے حقوق و امانت ہیں جن کے ادا پر قادر نہیں اور وہ اور زیادہ لدتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کی

زبانیں اور ہونٹ آہنی مقراضوں سے کاٹے جارہے ہیں اور جب وہ کٹ چکتے ہیں تو پھر حالتِ سابقہ پر ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ گمراہی میں ڈالنے والے واعظ ہیں۔ پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے، پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے، لیکن نہیں جاسکتا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے پھر نادم ہو، مگر اس کو واپس کرنے پر قادر نہیں۔

پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور وہاں ایک پاکیزہ خنک ہوا اور مشک کی خوش بو آئی اور ایک آواز سنی، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جنّت کی آواز ہے کہ کہتی ہے کہ اے رب! جو مجھ سے وعدہ کیا ہے مجھ کو دیجیے، کیوں کہ میرے بالا خانے اور استبرق اور حریر اور سندس اور عبقری اور موتی اور مونگے اور چاندی اور سونا اور گلاس اور طشتریاں اور دستہ دار کوزے اور مرکب اور شہد اور پانی اور دودھ اور شراب بہت کثرت کو پہنچ گئے تو اب میرے وعدے کی چیز (یعنی سکانِ جنّت) مجھ کو دیجیے (کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لیے تجویز کیا گیا ہے ہر مسلم اور مسلمہ اور مومن اور مومنہ اور جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لاوے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے اور میرے سوا کسی کو شریک نہ ٹھراوے، اور جو مجھ سے ڈرے گا وہ مامون رہے گا، اور جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا، اور جو مجھ کو قرض دے گا میں اس کو جزا دوں گا، اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کو کفایت کروں گا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں وعدہ خلافی نہیں کرتا، بے شک مؤمنوں کو فلاح حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے بابرکت ہے۔ جنّت نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

پھر ایک وادی پر گزر ہوا اور ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جہنّم کی آواز ہے، کہتی ہے کہ اے رب! مجھ سے جو وعدہ کیا ہے (یعنی دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ کو عطا فرما، کیوں کہ میری زنجیریں اور طوق اور

شعلے اور گرم پانی اور پیپ اور عذاب بہت کثرت کو پہنچ گئے اور میرا قعر بہت دراز اور گرمی بہت تیز ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لیے تجویز کیا گیا ہے: ہر مشرک اور مشرکہ اور کافر اور کافرہ اور ہر متکبر معاند جو یومِ حساب پر یقین نہیں رکھتا، دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

اور ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیہقی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھ کو داہنی طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا کہ میری طرف نظر کیجیے، میں آپ سے کچھ دریافت کرتا ہوں، میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، پھر ایک اور نے مجھ کو بائیں طرف سے اسی طرح پکارا، میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنے ہاتھوں کو کھولے ہوئے ہے اور اس پر ہر قسم کی آرائش ہے جو خدا تعالیٰ نے بنائی ہے، اس نے بھی کہا: اے محمد! میری طرف نظر کیجیے، میں آپ سے کچھ دریافت کروں گی، میں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا، اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا پکارنے والا نصاریٰ کا داعی تھا، اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی۔ اور وہ عورت دنیا تھی (یعنی اس کے پکارنے پر جواب دینے کا اثر یہ ہوتا کہ امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی جیسا اوپر آچکا ہے)[1] اور ظاہراً یہ واقعات **قبل عروج إلی السماوات** دیکھے گئے[2] اور بعضے واقعات میں بعدِ عروج[3] دیکھنے کی تصریح ہے، چناں چہ اسی حدیثِ بالا میں ہے کہ آپ آسمانِ دنیا پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں بہت سے خوان رکھے دیکھے کہ جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے، مگر اس پر کوئی شخص نہیں اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور اس پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا: کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑتے ہیں اور حرام کو کھاتے ہیں۔ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ آپ

---

[1] یعنی سرخی ''واقعہ ششم'' کے شروع پر۔ [2] چناں چہ دلائلِ بیہقی والی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ وارد ہیں: **فقال لها جبریل: مه یا براق، فواللّٰه! ما رکبك مثله، سار رسول اللّٰه ﷺ فإذا هو بعجوزة إلخ** جن سے متبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رکوبِ براق کے بعد متصل ہی ان واقعات کا انکشاف ہوا۔

[3] مقتضا ترتیب کا ان کا ذکر کرنا بعد ذکرِ عروج کے تھا، مگر واقعات کے تناسب سے یہ اقتران مستحسن معلوم ہوا۔

کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے ہیں، جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے، جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ اور آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا کہ ان کے لب اونٹ کے سے ہیں وہ چنگاریاں نگلتی ہیں اور وہ ان کے اسفل سے نکل رہی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے۔ اور آپ کا گزر ایسی عورتوں پر ہوا کہ پستانوں سے (بندھی ہوئی) لٹک رہی تھیں اور وہ زنا کرنے والیاں تھیں۔ اور آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور ان ہی کو کھلایا جاتا تھا اور وہ لوگ چغل خور عیب چیں تھے۔

فائدہ: عالمِ برزخ باعتبارِ مکان کے خواہ کہیں ہو، مگر انکشاف اس کا مشروط نہیں صاحبِ کشف کے اس مکان میں ہونے کے ساتھ، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ احوال ان صورتوں کے نظر آئے ہوں جو آدم علیہ السلام کے یسار میں تھیں جن کا ذکر واقعہ دہم میں آوے گا۔ اور بعض مکشوفات کی نسبت تصریح نہیں کہ قبلِ عروج مشاہدہ فرمایا یا بعدِ عروج، جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ کو معراج کرائی گئی تو بعض ایسے انبیا پر آپ کا گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعض ایسوں پر گزر ہوا جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، یہاں تک کہ آپ کا گزر ایک بہت بڑے مجمع پر ہوا، میں نے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا کہ موسیٰ اور ان کی قوم ہیں، لیکن اپنا سر اوپر اٹھایئے اور دیکھیے، سو دیکھتا کیا ہوں کہ اتنا عظیم الشان مجمع ہے کہ سب آفاق کو گھیر رکھا ہے اور کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے علاوہ آپ کی امت میں سے ستر ہزار اور ہیں جو جنّت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ ہیں جو داغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (كذا رواه الترمذي)

واقعہ ہفتم: جب آپ بیت المقدّس پہنچے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسلم کی روایت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے بُراق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیا علیہم السلام (اپنے مراکب کو) باندھتے تھے۔ اور بزار نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جبریل علیہ السلام نے پتھر میں جو کہ

بیت المقدس میں ہے انگلی سے سوراخ کر کے اس سے بُراق کو باندھ دیا۔
فائدہ: دونوں روایتیں اس طرح جمع ہوسکتی ہیں کہ وہ حلقہ تو قدیم الزماں سے ہو، لیکن کسی وجہ سے بند ہوگیا ہو، جبریل علیہ السلام نے انگلی سے کھول دیا ہو اور دونوں حضرات باندھنے میں شریک ہوں۔ اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ باندھنے کی ضرورت کیا تھی کہ وہ تو مسخر کر کے بھیجا گیا تھا؟ ممکن ہے کہ اس عالم میں آنے سے اس میں کچھ آثار یہاں کے پیدا ہوگئے ہوں، اگر بھاگنے کا بھی اندیشہ نہ ہو، تاہم اس کی شوخی وغیرہ سے آپ کے قلب کے پریشان ہونے کا احتمال ہو، اور حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

واقعہ ہشتم: ''تفسیر ابنِ اَبی حاتم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ بیت المقدس پہنچے اور اس مقام پر پہنچے جس کا نام بابِ محمد ہے تو براق کو باندھ کر دونوں صاحب فنائے مسجد میں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد! کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو حورِ عین دکھلاوے آپ نے فرمایا: ہاں! جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ان عورتوں کے پاس جائیے اور ان کو سلام کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا: تم کس کے لیے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم نیک ہیں، حسین ہیں، اور ایسے مردوں کی بیبیاں ہیں جو پاک ہیں، صاف ہیں اور میلے نہ ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے، کبھی جنّت سے جدا نہ ہوں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، اور کبھی نہ مریں گے۔ سو وہاں سے ہٹ کر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہوگئے، پھر ایک مؤذن نے اذان کہی اور تکبیر کہی گئی، ہم سب صف باندھ کر منتظر کھڑے تھے کہ کون امام بنے؟ سو میرا ہاتھ جبریل علیہ السلام نے پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں فارغ ہوا جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ کو خبر ہے کن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

اور بیہقی نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اور جبریل بیت المقدس (کی مسجد) میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔ اور

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ میں مسجد میں گیا تو انبیا علیہم السلام کو میں نے پہچانا، کوئی صاحب کھڑے ہیں، کوئی رکوع میں ہیں، کوئی سجدہ میں، پھر ایک اذان کہنے والے نے اذان کہی اور ہم صفوف درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کرتے ہیں؟ سو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے کہ نماز کا وقت آ گیا اور میں ان کا امام بنا۔ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ جب آپ مسجدِ اقصیٰ میں پہنچے، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو تمام انبیا علیہم السلام آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ اور بیہقی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ آپ نے داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی (یعنی اس جماعت کے آپ امام ہوئے)۔[۱]

جب نماز پوری ہو گئی تو ملائکہ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ملائکہ نے کہا کہ کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تحیہ نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہت اچھے خلیفہ ہیں (یعنی ہمارے بھائی اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ)۔ پھر ارواحِ انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور ان سبھوں نے اپنے رب پر ثنا کی۔

سو ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو خلیل بنایا اور مجھ کو ملکِ عظیم عطا فرمایا اور مجھ کو مقتدا صاحبِ قنوت بنایا کہ میرا اقتدا کیا جاتا ہے اور مجھ کو آتش (نمرودی) سے نجات دی اور اس کو میرے حق میں خنک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے رب پر ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا اور مجھ کو برگزیدہ فرمایا اور مجھ پر تورات نازل فرمائی، اور فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت کو ایسی قوم

[۱] کیوں کہ جب آپ امام الانبیا ہیں اور انبیا ملائکہ سے افضل ہیں تو امام الملائکہ بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔

بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق عدل کرتے ہیں۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو ملکِ عظیم عطا فرمایا اور مجھ کو زبور کا علم دیا اور میرے لیے لوہے کو نرم کیا اور میرے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کو بھی (تسبیح کے لیے مسخر فرمایا)، اور مجھ کو حکمت اور صاف تقریر عنایت فرمائی۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کے بعد یہ تقریر کی کہ جمیع محامد ثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے میرے لیے ہوا کو مسخر فرمایا اور شیاطین کو بھی مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا وہ بناتے تھے، جیسے عمارات عالی شان اور مجسّم تصاویر (کہ اس وقت درست تھیں)، اور مجھ کو پرندوں کی بولی کا علم دیا اور اپنے فضل سے مجھ کو ہر قسم کی چیز دی اور میرے لیے شیاطین اور انسان اور جن اور طیر کے لشکروں کو مسخر کیا، اور مجھ کو ایسی سلطنت بخشی کہ میرے بعد کسی کے لیے شایاں نہ ہوگی، اور میرے لیے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے متعلق مجھ سے کچھ حساب ہی نہ ہوگا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب پر ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو اپنا کلمہ بنایا اور مجھ کو مشابہ آدم علیہ السلام کے بنایا کہ ان کو مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ تو (ذی روح) ہو جا اور وہ (ذی روح) ہو گیا، اور مجھ کو لکھنا اور حکمت اور تورات و انجیل کا علم دیا۔ اور مجھ کو ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل کا قالب بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور مجھ کو ایسا بنایا کہ میں بحکمِ خدا مادر زاد اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا اور مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور مجھ کو پاک کیا اور مجھ کو اور میری والدہ کو شیطانِ رجیم سے پناہ دی، سو ہم پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی ثنا کی اور فرمایا کہ تم سب نے اپنے رب کی ثنا کی اور میں بھی اپنے رب کی ثنا کرتا ہوں۔ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر فرقان، یعنی قرآن

مجید نازل کیا، جس میں ہر (دینی ضروری) امر کا بیان ہے (خواہ صراحتاً خواہ اشارتاً) اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع (دین) کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور میری امت کو امتِ عادلہ بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہیں (یعنی رتبہ میں) اور آخر بھی ہیں (یعنی زمانہ میں)، اور میرے سینہ کو فراخ فرمایا اور میرا بار مجھ سے ہلکا کیا اور میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (سب سے خطاب کر کے) فرمایا کہ بس ان کمالات کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے فائق ہو گئے۔ پھر آپ کے عروج إلى السماوات کا ذکر کیا۔

اور ایک روایت میں آپ نے بالخصوص تین پیغمبروں کا ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور ہر ایک کا حلیہ بیان فرمایا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک داروغہ دوزخ کے ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے پہلے مجھ کو سلام کیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آپ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الاسرا میں دجال کو بھی دیکھا اور خازنِ نار کو بھی دیکھا۔ (کذا رواہ مسلم) ظاہراً اس اقترانِ ذکری سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کو بھی بیت المقدس کے موقع پر دیکھا، یعنی اس کی صورتِ مثالیہ کو، کیوں کہ وہاں اس کا نہ ہونا ظاہر ہے۔

واقعہ نہم: اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے، جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے ایک ظرف شراب کا اور ایک دودھ کا لائے، آپ فرماتے ہیں: میں نے دودھ کو اختیار کیا، جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت (یعنی طریقِ دین) کو اختیار فرمایا، پھر آسمان کی طرف عروج کیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور احمد کی حدیث میں بروایتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک ظرف دودھ کا، ایک شہد کا آیا ہے۔ اور بزار کی روایت میں تین ظرف آئے ہیں: دودھ اور شراب اور پانی۔ اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ بعد نماز کے مجھ کو پیاس لگی، اس وقت یہ برتن حاضر کیے گئے اور جب کہ میں نے دودھ کو اختیار کیا

تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے، جبریل علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا۔

فائدہ:[1] بُراق کے باندھنے کے بعد جو واقعات مذکور ہیں ان میں ترتیب اس طرح مفہوم ہوتی ہے۔

نمبر۱: فنائے مسجد میں پہنچ کر حوروں سے ملنا بات کرنا۔

نمبر۲: آپ کا اور جبریل علیہ السلام کا دو دو رکعت پڑھنا۔ غالباً یہ تحية المسجد ہے۔ اس وقت غالباً بعض دوسرے انبیا علیہم السلام پہلے سے جمع تھے، جن کو آپ نے مختلف حالتوں میں دیکھا، کسی کو راکع، کسی کو ساجد، غالباً یہ سب تحية المسجد پڑھتے تھے اور ان میں سے بعض کو پہچانا بھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی حضرات بتامہم اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر اسی تحية المسجد میں بھی آپ کے مقتدی ہو گئے ہوں گے۔

نمبر۳: پھر بقیہ انبیا علیہم السلام کا جمع ہو جانا۔

نمبر۴: پھر اذان و تکبیر ہونا اور جماعت ہونا، جس میں آپ امام تھے اور تمام انبیا علیہم السلام اور بعض ملائکہ آپ کے مقتدی تھے، ان میں سے بعض کو آپ نہ پہچانتے تھے، اس واسطے جبریل علیہ السلام نے بتلایا کہ جمیع انبیائے مبعوثین نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اور اس کی تحقیق کہ یہ نماز کون سی تھی؟ واقعہ بست وسوم کے ذیل میں آوے گی۔ اور اذان و اقامت یا تو ایسی ہی ہو، گو عام حکم اس کا مدینہ میں پہنچنے کے بعد ہوا اور یا اور طرح کی ہو۔

نمبر۵: پھر ملائکہ سے تعارف ہونا۔ شاید خازنِ نار سے ملاقات بھی اسی ضمن میں ہوئی ہو جس میں انھوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اور نام سن کر فرشتوں کا پوچھنا کہ کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ دلیل اس کی ہے کہ ان فرشتوں کو آپ کے متعلق یہ علم تھا کہ آپ کے لیے ایسا ہونے والا ہے، آگے اس میں دو احتمال ہیں: یا تو ہنوز عطائے نبوت ہی کا علم نہ ہوا ہو، کیوں کہ ملائکہ کے مشاغل مختلف ہیں دوسرے معاملات کا ہر وقت علم نہیں ہوتا، اور یا نبوت کا علم پہلے سے ہو

[1] متعلق واقعہ ہشتم ونہم۔

اور مقصود پوچھنے سے یہ ہو کہ معراج کے لیے ان کے پاس حکم پہنچ چکا ہے اور اسی طرح آگے جو سماوات میں سوال ہوا ہے وہاں یہی تقریر ہے۔

نمبر ۶: پھر حضراتِ انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہونا۔

نمبر ۷: پھر سب حضرات کا خطبہ پڑھنا۔

نمبر ۸: پھر پیالوں کا پیش ہونا۔ جن کی روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار تھے: دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں: ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی، اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی، کیوں کہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی ہے، مگر سامانِ نشاط ضرور ہے اس لیے مشابہ دنیا کے ہے۔ شہد بھی اکثر تلذذ کے لیے پیا جاتا ہے غذا کے لیے نہیں، تو یہ بھی امرِ زائد اور اشارہ لذاتِ دنیا کی طرف ہوا۔ اور پانی بھی معینِ غذا ہے غذا نہیں، جس طرح دنیا معینِ دین ہے مقصود نہیں، اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے۔ اور گو غذائیں اور بھی ہیں، مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے اور ایسے ہی ظروف کا بعد سدرۃ المنتہی کے پیش ہونا آیا ہے، جیسا آگے آوے گا تو یہ پیشی مکرر ہوئی ہے۔ (صرح به الحافظ عماد الدين ابن كثير) شاید اس میں مصلحت تقویتِ تنبیہ وتاکیدِ تحذیر ہو۔

نمبر ۹: پھر آسمان کا سفر۔ اور اس تقریر سے جس طرح ترتیب واقعات کی معلوم ہوئی اسی طرح روایاتِ مذکورہ کے اشکالات از قبیلِ تعارض بھی رفع ہو گئے اور روایات جمع ہو گئیں۔ ولعل عند غيري أحسن من هذا ۔ اور شاید یہاں پر انبیا اور ملائکہ کا جمع ہونا بطورِ استقبالِ نبوی کے ہو۔ واللہ اعلم۔

واقعہ دہم: اس کے بعد آپ کا آسمانوں پر صعود ہوا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بُراق پر تشریف لے گئے۔ ''بخاری'' میں آپ کا ارشاد ہے کہ بعد قلب دھونے اور اس میں ایمان وحکمت بھرنے کے مجھ کو بُراق پر سوار کیا گیا۔ جس کا ایک قدم اس کے منتہائے نگاہ پر پڑتا ہے،

اور مجھ کو جبریل لے چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک پہنچے۔ اس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی بُراق ہی کی سواری پر تشریف لے گئے، گو درمیان میں بیت المقدس میں بھی اترے۔ اور ''بیہقی'' میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پھر (یعنی بعد فراغِ اعمالِ بیت المقدس کے) میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا، جس پر بنی آدم کی ارواح (بعد موت کے) چڑھتی ہیں، سو اس زینے سے زیادہ خوبصورت خلائق کی نظر سے نہیں گزرا، تم نے (بعض) میت کو آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہوگا، سو وہ اس زینے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور ''شرفِ مصطفیٰ'' میں ہے کہ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا اور اس کے داہنے بائیں ملائکہ اوپر تلے گھیرے ہوئے تھے۔ اور کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: آپ کے لیے ایک زینہ چاندی کا رکھا گیا اور ایک سونے کا، یہاں تک کہ آپ اور جبریل اس پر چڑھے۔ اور ابنِ اسحاق کی روایت میں آپ کا ارشاد ہے کہ جب میں بیت المقدس کے قصّہ سے فارغ ہوا تو یہ زینہ لایا گیا اور میرے رفیقِ راہ (جبریل) نے مجھ کو اس پر چڑھایا، یہاں تک کہ دروازۂ آسمان تک پہنچے۔

فائدہ: بُراق اور زینے کی روایات میں اس طرح جمع ممکن ہے کہ کچھ ایک پر سفر کیا ہو کچھ دوسرے پر، جس طرح مکرم مہمان کے روبرو کئی سواریاں حاضر کی جاتی ہیں، اس کو اختیار ہوتا ہے خواہ تھوڑی تھوڑی مسافت سب پر قطع کرے۔ اور بُراق ہر چند کہ نہایت تیز رفتار ہے، مگر اس کی سرعت اور بطوء راکب کے قبضہ میں ہوگا، کیوں کہ براق پر سوار ہونے کے بعد مختلف مواقع ومقامات پر نزول اور مختلف مناظر پر مفصّل اطلاع ومرور ظاہراً اعتدال في السیر کا قرینہ ہے۔

واقعہ یازدہم: حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اول آسمانِ دنیا تک پہنچے، جبریل علیہ السلام نے (آسمان کا) دروازہ کھلوایا (ملائکہ بوابین کی طرف سے) پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی (نبوت کے لیے یا آسمانوں پر بلانے کے لیے) بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ (رواہ البخاري)

اور بیہقی کی حدیث میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمانوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے، اس کا نام باب الحفظة ہے، اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے، اس کا نام اسماعیل ہے، اس کی ماتحتی میں بارہ ہزار فرشتے ہیں۔ اور شریک کی روایت میں حدیثِ بخاری میں یہ بھی ہے کہ اہلِ سماوات کو خبر نہیں ہوتی کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ جب تک کہ ان کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہ دے۔ اھ

جیسے یہاں جبریل علیہ السلام کی زبانی معلوم ہوا، اس سے فرشتوں کے اس پوچھنے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ ''کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی پہنچا ہے'' اور اس پوچھنے میں جو وہ احتمال ذکر کیے گئے تفصیل اس کی واقعہ ہشتم نمبر: ۵ میں مذکور ہوئی ہے۔ اور وہاں خود پوچھنے کی وجہ عقلی بھی لکھی گئی ہے، اس دلیلِ نقلی سے اس توجیہ عقلی کی تایید ہوگئی۔ ''بخاری'' کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: مرحبا! فرزندِ صالح اور نبیِ صالح کو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمانِ دنیا میں ایک شخص کو بیٹھا دیکھا، جن کے داہنی طرف کچھ صورتیں نظر آتی ہیں اور کچھ صورتیں بائیں طرف ہیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں روتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: آدم علیہ السلام ہیں اور یہ صورتیں داہنی اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، سو داہنی طرف والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اس لیے داہنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (كذا في المشكاة عن الشيخين) اور بزار کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوش بودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے بدبودار ہوا آتی ہے، جب داہنی طرف دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں مغموم ہوتے ہیں۔ اور شریک کی روایتِ بالا میں یہ بھی ہے کہ

آپ نے سماءِ دنیا میں نیل اور فرات کو دیکھا، اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی سماءِ دنیا میں ایک اور نہر بھی دیکھی کہ اس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے ہیں اور وہ کوثر ہے۔

فائدہ: حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیا میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سماوات میں جو انبیا علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے، یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسمِ مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا، اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے، لیکن ان کے اختیار سے نہیں، بلکہ محض بقدرتِ ومشیتِ حق۔ اور ظاہراً یہ جسمِ مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا، اسی لیے باوجود لقائے بیت المقدس کے آسمان میں نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ آسمان پر مع الجسد ہیں، ان کو وہاں دیکھنا مع الجسد ہوسکتا ہے۔ لیکن ان کو جو بیت المقدس میں دیکھا، جیسا واقعہ ہشتم میں مذکور ہے وہ مع الجسد نہیں تھا، بلکہ بالمثال ہے کہ تعلق روح کا جسدِ مثالی کے ساتھ قبل الموت بھی بطورِ خرقِ عادات کے ممکن ہے، اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس میں مع الجسد ہوں اور آسمان سے وہ آ گئے ہوں۔ یا دونوں جگہ مع الجسد ہوں کہ اول آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں، پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں، مگر خلافِ ظاہر ہے۔ واللہ أعلم

اور آدم علیہ السلام کے داہنے بائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ بھی ارواح کی صورتیں مثالیہ تھیں۔ اور بزار کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمان پر موجود اور مستقر نہ تھیں، بلکہ اپنے اپنے ٹھکانے پر تھیں اور اس ٹھکانے اور مقامِ آدم علیہ السلام کے درمیان دروازہ تھا اس دروازہ سے ان صورتوں کا عکس اس مقام پر پڑتا ہوگا، یا وہ ہوا جو آتی تھی آخر وہ بھی جسم ہے، اس میں خاصیت انطباع وانعکاس کی ہوگی، جیسے ہوا شعاعوں سے متکیف ہوکر قابلِ رؤیت کے ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس روایت میں دروازہ کا ہونا آیا ہے، یہ ظاہراً قرینہ ہے اس کا کہ وہ دروازہ واسطہ تھا یہاں تک ان صورتوں کے اثر پہنچنے کا۔ واللہ أعلم

پس اس میں یہ اشکال نہ رہا کہ نص قرآنی ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ﴾[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح آسمان پر نہیں جاسکتیں، پھر آسمانِ دنیا پر یہی روحیں کافروں کی جو بائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟ اور نیل وفرات کا دوسری روایات میں ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں دیکھنا ثابت ہوتا ہے۔ سو اس سوال کا جواب کہ یہ نہریں تو دنیا میں ہیں وہاں ہونے کے کیا معنیٰ؟ آگے سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر کے موقع پر دیا جاوے گا، یہاں صرف روایات کو جمع کرنے کی توجیہ سمجھ لی جاوے، وہ یہ ہے کہ اصل سرچشمہ ان کا سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ ہو اور پھر نکل کر پانی آسمانِ دنیا پر جمع ہوتا ہو اور پھر وہاں سے زمین میں آتا ہو، جیسا آگے مذکور ہوگا۔ اور ایسی ہی تقریر سے یہ اشکال رفع کرلیا جاوے کہ دوسری احادیث سے حوضِ کوثر کا جنّت میں ہونا منصوص ہے، یعنی اصل وہاں ہو اور یہاں اس کی ایک شاخ ہو، جیسا ایک شاخ اس کی میدانِ قیامت میں ہوگی۔

واقعہ دوازدہم: بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا گیا: ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام موجود ہیں، اور وہ دونوں باہم خلیرے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحییٰ وعیسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، ان دونوں نے جواب دیا، پھر کہا کہ مرحبا! برادرِ صالح اور نبیِ صالح کو۔

فائدہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ کے نواسے ہیں، چوں کہ نانی بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کو بمنزلہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے قرار دیا گیا، اور اگر وہ واقع میں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہوتیں تو یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام خلیرے ہوتے، اس لیے مجازاً ان کو خلیرا فرما دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ

[1] اعراف: ۴۰۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ کی اولاد میں ہیں، اگرچہ بیٹے نہیں مگر نواسے ہیں۔ اوران دونوں نے بھائی اس لیے کہا کہ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے نہیں ہیں۔

واقعہ سیز دہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (وہاں) پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام موجود ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ یوسف ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادرِ صالح اور نبیِ صالح کو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک (بڑا) حصہ عطا کیا گیا ہے۔ (كذا في المشكاة عن مسلم) اور بیہقی کی حدیث میں بروایتِ ابوسعید رضی اللہ عنہ اور طبرانی کی حدیث میں بروایتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے کہ ایک ایسے شخص کو دیکھا جو خلق اللہ سے زیادہ حسین ہے اور لوگوں پر حسن میں ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسے چودھویں شب کا چاند باقی کواکب پر۔

فائدہ: اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس عموم سے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہوں اور قرینہ اس کا ایک حدیث ہے، جس کو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا کہ خوب صورت اور خوش آواز نہ ہو اور تمہارے نبی ان سب سے زیادہ حسین اور سب میں زیادہ خوش آواز تھے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عموم اپنے ظاہر پر باقی رہے اور فضلِ جزئی فضلِ کلی میں قادح نہیں۔ یا یوں کہا جاوے کہ حسن کے انواع مختلف ہیں، ایک نوع میں حضرت یوسف علیہ السلام احسن ہوں اور ایک نوع میں ہمارے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم احسن ہوں اور خود ان دونوں نوعوں میں یوں تفاضل ہو کہ نوعِ یوسفی ظاہراً و بداہتاً أبهر و أظهر اور واقف عند حد ہو اور نوعِ محمدی معناً و إمعاناً ألطف و أدق اور لا تقف إلى حد ہو،

اول نوع کا لقب حسنِ صباحت مناسب ہے، اور دوسری نوع کا نام حسنِ ملاحت، گویا یہ شعر اسی کا مصداق ہے:

يزيدك وجهه حسنا إذا ما زدته نظرا

والله أعلم بحقائق الأمور، والمحل محل أدب.

واقعہ چہاردہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چوتھے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام موجود ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ ادریس ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادرِ صالح اور نبیِ صالح کو۔

فائدہ: باوجود یہ کہ ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں ہیں، پھر ان کا برادر کہنا اخوتِ نبوت کی بنا پر ہے، اور ابن پر اس کو ترجیح دینا بوجہ ادب کے ہے، برابر کے بیٹے کو یا اپنے سے بھی بڑے درجہ کے بیٹے کو بھائی کے لقب سے پکارنے لگتے ہیں۔ اور ابن المنیر نے کہا ہے کہ ایک طریق شاذ میں مرحبا بالابن الصالح بھی آیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ادریس حضرت الیاس علیہ السلام کا لقب ہے اور یہی ملے ہیں اور یہ اجدادِ نبویہ میں سے نہیں۔ واللہ أعلم

واقعہ پانزدہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ وہاں سے کہا گیا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون ہیں ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادرِ صالح اور نبیِ صالح کو۔

واقعہ شانز دہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر چڑھے، یہاں تک کہ چھٹے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام موجود ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر کہا: مرحبا! برادرِ صالح اور نبیِ صالح کو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے، ان سے پوچھا گیا: آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد مبعوث ہوئے، جن کی امت کے جنّت میں داخل ہونے والے میری امت کے جنّت میں داخل ہونے والوں سے بہت زیادہ ہوں گے (تو مجھ کو اپنی امت پر حسرت ہے کہ انھوں نے میرا اس طرح اتباع نہ کیا جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کی اطاعت کرے گی اور اس لیے میری امت کے ایسے لوگ جنّت سے محروم رہے تو ان کے حال پر رونا آتا ہے)۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نوجوان فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کے اَتباع تھوڑی ہی مدت میں کہ اس وقت تک آپ سنِ شیخوخت تک بھی نہ پہنچیں گے اتنی کثرت سے ہو جاویں گے کہ اوروں کے سنِ شیخوخت تک بھی اتنے اَتباع نہیں ہوئے، ونیز آپ کی کل عمر تریسٹھ سال کی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہوئی۔ (كذا في قصص الأنبياء)

واقعہ ہفدہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو جبریل علیہ السلام آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیامِ الٰہی بھیجا گیا؟ کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا! آپ بہت اچھا آنا آئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے جدِامجد ابراہیم ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا اور فرمایا: مرحبا! فرزندِ صالح اور نبیِ صالح کو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں کہ جن کی باری پھر نہیں آتی (یعنی اگلے روز اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں۔ (كذا في المشكاة عن مسلم) اور "دلائل بیہقی" میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مجھ کو آسمانِ ہفتم پر چڑھایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں، بہت حسین ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں اور میری امت بھی موجود ہے دو قسم کے: ایک وہ جن پر سفید کپڑے ہیں اور ایک وہ جن پر میلے کپڑے ہیں، میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور سفید کپڑے والے بھی میرے ساتھ داخل ہوئے اور دوسرے روک دیے گئے، سو میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی۔

فائدہ: بعض روایات میں ترتیب منازلِ انبیا علیہم السلام کی اور طرح بھی آئی ہے، مگر اصح یہی ہے جو مذکور ہوا۔ واللہ أعلم۔ اور بیت المعمور کے متعلق بعد ذکرِ سدرہ کے کچھ اور بھی آوے گا۔

واقعہ ہشدہم: بخاری میں ہے کہ پھر مجھ کو سدرة المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا، سو اس کے بیر اتنے بڑے بڑے تھے جیسے مقامِ ہجر کے مٹکے اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرة المنتہیٰ ہے۔ اور وہاں چار نہریں ہیں: دو اندر کو جارہی ہیں اور دو باہر کو آرہی ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ جو اندر کو جاتی ہے یہ جنت میں دو نہریں ہیں اور باہر جو آرہی ہیں یہ نیل اور فرات ہے۔ پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا لایا گیا، میں نے دودھ کو اختیار کیا، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت (یعنی دین) ہے، جس پر آپ اور آپ کی امت قائم رہے گی۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سدرة المنتہیٰ کی جڑ میں یہ چار نہریں ہیں۔ اور "مسلم" میں یہ ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں۔

اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد مجھ کو ساتویں آسمان کے بالائی سطح پر لے گئے، یہاں تک کہ آپ ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت اور موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے اور اس پر سبز لطیف پرندے بھی تھے۔

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دی ہے، اس کے اندر برتن سونے اور چاندی کے پڑے ہیں اور وہ یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر چلتی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ میں نے ایک برتن لے کر اس میں سے کچھ پیا، تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوش بودار تھا۔ اور بیہقی کی حدیث میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا، جس کا نام سلسبیل تھا اور اس سے دو نہریں نکلتی تھیں: ایک کوثر اور دوسری نہرِ رحمت۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہٰی تک پہنچایا گیا اور وہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ (اول) اسی پر نزول کرتے ہیں اور وہاں سے نیچے (عالمِ دنیا میں) لائے جاتے ہیں (اور اسی واسطے اس کا نام سدرۃ المنتہٰی ہے)۔

اور بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کو ایسی رنگتوں نے چھالیا کہ معلوم نہیں وہ کیا تھیں؟ اور ''مسلم'' میں ہے کہ وہ پروانے تھے سونے کے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ٹڈیاں تھیں سونے کی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتوں نے چھالیا۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب خدا کے حکم سے اس کو ایک عجیب چیز نے چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی، سو کوئی شخص خلائق میں سے اس کا وصف بیان نہیں کرسکتا۔ اور ایک روایت میں سدرۃ المنتہٰی کے دیکھنے اور برتنوں کے پیش کیے جانے کے درمیان میں یہ ہے کہ پھر میرے روبرو بیت المعمور بلند کیا گیا۔ (کذا رواہ مسلم) اور ایک روایت میں بعد سدرۃ المنتہٰی دیکھنے کے یہ ہے کہ پھر میں جنّت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد ہیں اور مٹی اس کی مشک ہے۔ (کذا في المشکاۃ عن الشیخین)

فائدہ: ظاہراً احادیث سے سدرۃ المنتہٰی کا ساتویں آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور چھٹے میں ہونے کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اس کی جڑ ممکن ہے چھٹے میں ہو۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چار نہریں چھٹے میں ہوں، جیسا کہ روایات میں ہے کہ یہ نہریں اس کی جڑ سے نکلتی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب چھٹے آسمان سے گزر کر ساتویں کے اندر کو نفوذ کرتا ہوا آگے پہنچا تو یہ موقع نفوذ کا اس کے لیے بمنزلہ جڑ کے ہے جو ساتویں میں ہے تو وہ نہریں اس دوسری جڑ سے نکلیں، اور یہ جو اندر کو جاری تھیں یہ کوثر اور نہرِ رحمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں، ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہرِ رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرہ کی دوسری جڑ میں ہوں۔ اور ابنِ ابی حاتم کی روایتِ بالا سے ظاہراً کوثر کا خارجِ جنّت ہونا معلوم ہوتا ہے، سو غالباً خارج وہ حصّہ ہے جو سدرہ کی جڑ میں ہے، باقی زیادہ حصّہ اس کا جنّت کے اندر ہے، جیسا اور حدیثوں میں اس کا جنّت کے اندر ہونا وارد ہے۔

اور نیل وفرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل وفرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے، سو جو حصّہ بارش کا نیل وفرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ حصّہ آسمان سے آتا ہو، پس اس طور پر نیل وفرات کی اصل آسمان پر ہوئی۔ اور سدرۃ المنتہٰی کے الوان کی نسبت فراش وجراد کہنا تشبیہاً ہے، ورنہ وہ فرشتے تھے۔ اور یہ فرمانا کہ معلوم نہیں وہ کیا تھے؟ اس کے معنی یا تو یہی ہیں کہ اولاً معلوم نہ ہوا ہو، یا یہ فرمانا تعجباً ہے کہ اس کے حسن کی تعبیر کا طریقہ نہیں معلوم کس طرح بیان کیا جاوے! اور مسلم کی روایت سے جو کہ بیت المعمور کے متعلق ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہٰی سے بھی اوپر ہے، جیسا اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے ”بلند کیا گیا“ جو ترجمہ ہے: **ثم رفع البیت المعمور** کا، اور یہ رفع مؤخر ہے سدرۃ المنتہٰی کے دیکھنے سے، جیسے کلمہ ثم سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خود سدرۃ المنتہٰی کا مقامِ ابراہیم علیہ السلام سے بالاتر ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا اس لفظ کا مدلول ہے کہ پھر مجھ کو سدرۃ المنتہٰی کی طرف بلند کیا گیا جو ترجمہ ہے: **ثم رفعت إلى سدرة المنتهى** کا اور یہ مؤخر ہے ابراہیم علیہ السلام کے ملنے سے جیسا کلمہ ثم سے معلوم ہوتا ہے، پھر اس کے کیا معنی کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی کمر بیت المعمور سے لگائے ہوئے تھے؟ جیسا واقعہ ہفدہم میں ہے، سو اس کی توجیہ قریب یہ ہے کہ بنیاد اس کی ساتویں آسمان پر ہو اور ابراہیم علیہ السلام اسفل دیوار سے کمر لگائے ہوں، مگر ارتفاع اس کا رفیع سے بھی رفیع ہو کہ سدرۃ المنتہٰی سے جو کہ

ساتویں آسمان سے بلند ہے تیز بلند تر ہو۔

اور واقعہ ہفدہم میں جو آپ کا نماز پڑھنا بہم راہی ابراہیم علیہ السلام کے پاس والوں کے مذکور ہے اس میں بھی اشکال نہیں، کیوں کہ نماز نیچے کے درجہ میں ہوگی، جیسا کہ اکثر مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیتِ معمور ایک مسجد ہے، آسمان میں مقابل خانہ کعبہ کے، اس طرح پر کہ اگر بالفرض وہ گرے تو عینِ کعبہ کے اوپر گرے۔ اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکل آتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ اور جنّت میں داخل ہونا جو اوپر مذکور ہوا ہے ممکن ہے کہ بیت المعمور دیکھنے سے پہلے ہو اور ممکن ہے کہ بعد میں ہو، لیکن اتنا قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے، اور اس میں دونوں احتمال ہیں کہ جنّت کا ارتفاع بیت المعمور سے ارفع ہو یا نہ ہو۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گو یا جنّت قریب سدرۃ المنتہیٰ کے ہے، مگر اس سے ارفع بھی ہے، چناں چہ بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کے یہ روایت کیا ہے کہ ثم رفعت إلى الجنة یعنی پھر مجھ کو جنّت کی طرف بلند کیا گیا۔ والله أعلم۔ اور بیہقی کی حدیثِ مذکور میں یہ بھی ہے کہ بعد سیرِ جنّت کے پھر دوزخ میرے روبرو کیا گیا، اس میں اللہ کا غضب اور عذاب اور انتقام تھا، اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جاوے تو اس کو بھی کھالے، پھر وہ بند کر دیا گیا۔ اھ اس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اپنی جگہ پر رہا اور آپ اپنی جگہ رہے، درمیان سے حجاب اٹھا کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔

واقعہ نوز دہم: بخاری میں بعد ذکرِ بیت المعمور اور دودھ وغیرہ کے برتنوں کے پیش کیے جانے کے روایت ہے کہ پھر مجھ پر پچاس نمازیں ہر یوم میں فرض کی گئیں۔ اور ایک روایت میں بعد لقائے ابراہیم علیہ السلام کے ہے کہ پھر مجھ کو عروج کرایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں میں نے قلموں کی آواز (جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے) سنی، سو مجھ پر اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں۔ (كذا في المشكاة عن الشيخين)

فائدہ: پہلی روایت سے فرضیتِ صلوٰۃ کا سیرِ بیت المعمور سے متراخی بمہلت ہونا جیسا لفظ ''پھر'' کا مقتضا ہے جو مدلول ہے کلمہ ثم کا اور دوسری روایت سے فرضیتِ صلوٰۃ کا اس میدان میں پہنچنے سے متّصل یعنی غیر متراخی بمہلت ہونا جیسا لفظ ''سو'' کا مقتضا ہے، جو ترجمہ ہے ''فا'' کا ثابت ہوتا ہے، جس سے دونوں میں غور کرنے سے یہ ترتیب سمجھ میں آتی ہے کہ بعد عرض بیت المعمور کے اس میدان میں پہنچنا ہوا۔ اور اس میدان میں پہنچنے کے بعد نمازیں فرض ہوگئیں۔ واللّٰہ أعلم۔ نیز ایک اور قرینہ سے بھی اس محلِ صریفِ اقلام کا سدرہ اور بیت المعمور سے ارفع ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ اقلام تقدیر کے ہیں جو احکامِ تکوینیہ جزئیہ یومیہ کو لوحِ محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ اور سدرہ کی نسبت واقعہ ہشدہم میں آیا ہے کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں، وہ اول وہاں آتے ہیں تو سدرہ اس کے تحت میں ہوا، اسی طرح بیت المعمور کی اصل ساتویں آسمان میں ہے اور وہاں فرشتے عبادت میں مشغول ہیں اور سماوات اس عموم میں داخل ہیں، يتنزل الأمر بينهن تو بیت المعمور بھی اس کے تحت میں ہوا۔

واقعہ بستم: بزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معراج کے باب میں ایک حدیث ذکر کی ہے، اور اس میں جبریل علیہ السلام کا بُراق پر چلنا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ حجاب تک پہنچے اور یہ بھی فرمایا کہ ایک فرشتہ حجاب کے اندر سے نکلا تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ قسم اس ذات کی! جس نے آپ کو دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا اور حالاں کہ میں خلائق میں رتبے کے اعتبار سے بہت مقرب ہوں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے مفارقت اختیار کی اور تمام آوازیں مجھ سے منقطع ہوگئیں۔ (كذا في شرح النووي لمسلم) اور ابوالحسن بن غالب نے ابوالربیع بن سبع کی طرف ''شفاء الصدور'' میں حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور میرے رب کی طرف چلنے میں میرے ہم سفر رہے، یہاں تک کہ ایک مقام تک پہنچے، پھر ٹھہر گئے۔ میں نے کہا: اے جبریل! کیا ایسے مقام میں کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر میں اس مقام سے بڑھوں تو نور سے جل

جاؤں۔اھ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا ترجمہ کیا ہے:

بدو گفت سالار بیت الحرام
کے اے حاملِ وحی برتر خرام
چوں در دوستی مخلصم یافتے
عنانم زصحبت چرا تافتے
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ یزدی بالم نماند
اگر یک سرموے برتر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

اور اسی حدیثِ مذکور میں یہ بھی ہے کہ پھر مجھ کو نور میں پیوست کر دیا گیا اور ستر ہزار حجاب مجھ کو طے کرائے گئے کہ ان میں ایک حجاب دوسرے حجاب کے مشابہ نہ تھا اور مجھ سے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہوگئی، اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی تو اس وقت مجھ کو ایک پکارنے والے نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا کہ ٹھہر جائیے! آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے۔اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو ان دو امر سے تعجب ہوا: ایک تو یہ کہ کیا ابوبکر مجھ سے آگے بڑھ آئے، دوسرے یہ کہ میرا رب صلوۃ سے بے نیاز ہے، ارشاد ہوا کہ اے محمد! یہ آیت پڑھو: ﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝﴾[1] سو میری صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے۔اور ابوبکر کی آواز کا قصّہ یہ ہے کہ ہم نے ایک فرشتہ ابوبکر علیہ السلام کی صورت کا پیدا کیا جو آپ کو ان کے لہجہ میں پکارے، تاکہ آپ کی وحشت دور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت لاحق نہ ہو جو آپ کو فہمِ مقصود سے مانع ہو۔

اور ''شفاء الصدور'' کی ایک روایت میں ہے کہ بعد قطعِ حجابات کے ایک رفرف یعنی

[1] احزاب: ۴۳۔

مسند سبز میرے لیے اتاری گئی اور میں اس پر رکھا گیا۔ پھر مجھ کو اوپر اٹھایا گیا، یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا تو میں نے ایسا امرِ عظیم دیکھا کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ ''مواہب'' میں ابنِ غالب کے حوالہ سے ان روایات کو ''شفاء الصدور'' سے نقل کر کے کہا ہے: والعهدة عليه في ذلك اهـ۔

فائدہ: بزار کی روایت سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عروجِ سماوات بھی بُراق ہی پر ہوا ہے۔ والله أعلم۔ اور رحمتِ الٰہیہ کی توجہ کے لیے جو آپ کو حکم ہوا ٹھہرنے کا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا آگے بڑھنا نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کو شغلِ مانع ہو جاوے گا توجۂ رحمت سے، جس طرح مخلوق کے لیے ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہو جاتا ہے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خاص رحمت فرما رہے ہیں، آپ سیر کو منقطع کیجیے اور اس میں مشغول ہو جائیے، کیوں کہ شغلِ سیر مانع ہوگا یک سوئی تام سے اس رحمت کے اخذ کرنے میں۔ والله أعلم

اور ''شفاء الصدور'' کی روایتِ مذکور میں یہ بھی منقول ہے:

فأورثني علم الأولين والآخرين، وعلمني علوما شتى، فعلم أخذ علي كتمانه، أو علم أنه لا يقدر على حمله أحد غيري، وعلم خيّرني فيه، وعلمني القرآن فقال: جبريل عليه السلام يذكرني به، وعلم أمرني بتبليغه إلى العالم والخاص من أمتي.

سو شاید اس سے کسی کو بعض صوفیہ کے اس قول کی صحت کا شبہ پڑے کہ وہ کہتے ہیں کہ معراج میں بعض علومِ مکتومہ آپ کو وہ ملے تھے کہ خاص صوفیوں ہی کو پہنچے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ اول تو اس روایت ہی میں کلام ہے جیسا کہ والعهدة عليه سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے جب اس کے کتمان کا عہد لیا گیا ہے تو صوفیوں ہی کو کیسے بتلا دیا؟ تیسرے اگر علم خيرني فيه میں اس کو داخل کیا جاوے تو دو امر محتاجِ ثبوت ہوں گے: اول یہ کہ آپ نے صوفیوں کو کوئی الگ علم بتلایا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ وہی ہے، سو دونوں امروں کا کہیں پتا نہیں۔ چوتھے بعد اللتيا واللتي اس سے جو ان صوفیوں کا مقصود ہے کہ بعض امورِ شریعت کے خلاف

بھی ثابت ہیں، مثلاً: شرع میں ایک چیز حرام ہے اور حقیقت وطریقت میں وہ حلال ہے اور ایسے علوم آپ سے سینہ بسینہ چلے آئے ہیں اس کو اس روایت سے کیا علاقہ؟ اور بوجہ خلافِ نصوصِ قطعیہ ہونے کے اس کا اعتقاد بددینی بھی ہے۔ اگر ایسے علوم کا بتلانا مان بھی لیا جاوے تو وہ بالیقین منافی شریعت نہیں، البتہ شریعت میں مسکوت عنہ ہوسکتے ہیں، مگر وہ ایسے علوم نہیں جو موقوف علیہ رضائے حق کے ہوں، کیوں کہ ایسے علوم دین ہیں اور دین کی تکمیل اور اس کی تبلیغ کا وقوع نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس کا کوئی جز ومخفی نہیں۔ اگر اس کی تعیین ہی مطلوب ہو تو قطعاً تو مشکل ہے، مگر ظناً یا احتمالاً اس کا مصداق علومِ فتن ہوسکتے ہیں کہ بعض کو اس پر مطلع کیا گیا بعض کو نہیں، جو شان ہے مخیر فیہ ہونے کی۔ پانچویں جو کچھ بھی ہو سکے سینہ بسینہ ہونے کا دعویٰ محض غلط ہے۔ حقیقت اس چیز کی جو سینہ بسینہ آتی ہے نسبتِ باطنیہ ہے، جو برکتِ صحبتِ حسیہ یا معنویہ ایک دوسرے میں مورث ومنتقل ہوتی آتی ہے، چوں کہ بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے اس لیے اس پر متنبہ کیا گیا۔

واقعہ بست ودیکم، حق تعالیٰ کی رؤیت اور کلام: ترمذی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اور عبدالرزاق نے بواسطہ معمر کے حسن سے روایت کیا کہ انھوں نے حلف کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اور ابنِ خزیمہ نے عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ سے اس رؤیت کو ثابت کیا اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے تمام اصحاب اس کے قائل ہیں اور کعب احبار اور زہری اور معمر سب اس کا جزم کرتے ہیں۔ اور نسائی نے باسنادِ صحیح بطریقِ عکرمہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، انھوں نے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور رؤیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔

اور طبرانی نے ''اوسط'' میں بسندِ ثقات ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے: ایک مرتبہ بصر سے اور ایک مرتبہ قلب سے۔ اور خلال نے ''کتاب السنۃ'' میں مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص زعم کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا افترا کیا، سو کون سی دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا جواب دیا جاوے؟ انھوں نے فرمایا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے: رأيت ربي یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ (تو امام احمد کی روایت سے یہ حدیث مرفوع بھی ثابت ہوگئی) اور کلام کرنا صحاح میں ان امور کے ساتھ وارد ہے۔ پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور خواتیم سورۂ بقرہ عنایت ہوئیں۔ اور جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراوے اس کے گناہ معاف کیے گئے۔ (كذا رواه مسلم) اور یہ بھی وعدہ ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو کرنے نہ پاوے تو ایک نیکی لکھی جاوے گی۔ اور اگر اس کو کرلیا تو کم از کم دس حصے کر کے لکھی جاوے گی۔ اور جو شخص بدی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کرے تو وہ بالکل نہ لکھی جاوے گی۔ اور اگر اس کو کرلے تو ایک ہی بدی لکھی جاوے گی۔) (كذا رواه مسلم)

اور بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ آپ نے جنابِ باری تعالیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت اور ملکِ عظیم اور موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی اور داود علیہ السلام کا ملکِ عظیم اور لوہے کا نرم ہونا اور پہاڑوں کا مسخر ہونا اور سلیمان علیہ السلام کا ملکِ عظیم اور انس و جن و شیاطین و ہوا کا مسخر ہونا اور بے نظیر ملک دینا اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل و تورات اور ابرائے اکمہ و ابرص و احیائے موتی کا عطا ہونا اور ان کا اور ان کی والدہ کا شیطان سے پناہ دینا عرض کیا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو حبیب بنایا اور سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا اور شرحِ صدر و وضعِ وزر و رفعِ ذکر مرحمت فرمایا، سو میرا جب ذکر ہوتا ہے تمہارا بھی ہوتا ہے۔ اور تمہاری امت کو خیرِ امت اور امتِ عادلہ بنایا اور اول بھی اور آخر بھی بنایا۔ اور ان کا کوئی خطبہ درست نہیں جب تک کہ وہ آپ کے عبد اور رسول ہونے کی شہادت نہ دیں۔ اور تمہاری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے سینے میں ان کی کتاب رکھی۔ اور تم کو پیدائش (عالمِ نور) میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخر اور قیامت کے روز فیصلے میں سب سے مقدم بنایا۔ اور میں نے تم کو سبع مثاني اور خواتیم سورۂ بقرہ بلا شرکت دوسرے

انبیا کے، اور کوثر اور اسلام اور ہجرت اور جہاد اور نماز اور صدقہ اور صومِ رمضان اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر عطا فرمائے۔ اور تم کو فاتح اور خاتم بنایا۔ اس کے اسناد میں ابو جعفر ہیں، جن کو ابنِ کثیر نے ضعیف الحفظ کہا ہے۔

فائدہ: بعض صحابہ کا نفی رؤیت کی کرنا اپنی رائے[1] سے ہے جو مستنبط ہے بعض عمومات سے جیسے ﴿لا تدركه الأبصار﴾ لیکن بعد اثبات بالنصوص کے ان عمومات کو محمول کیا جاوے گا نفیِ ادراک بمعنی معرفتِ کنہ واحاطہ پر۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ "نور أنى أراه" محمول اس پر ہے کہ نور جس درجہ میں مانعِ رؤیت ہوتا ہے وہ درجہ مرئی نہیں ہوا اور آخرت میں یہ عادت مبدل ہو جاوے گی اور ایسا انکشاف ہوگا کہ اس سے فوق استعدادِ بشری کے لیے متصور نہیں اور مطلق رؤیت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ اور خواتیمِ سورۂ بقرہ وغیرہ کا نزول مدینہ میں ہونا اس روایت کے منافی نہیں کہ اس وقت اجمالاً وعدہ ہوا ہوگا، پھر مدینہ میں نزول تفصیلاً عطا ہوگیا۔ اور پانچ

[1] كذا قال النووي. وما أورد عليه في "فتح الباري" بقول عائشة رضي الله عنها في قول الله تعالى: ﴿ولقد رآه نزلة أخرى﴾ إنها سألت رسول الله ﷺ عن ذلك، فقال: إنما هو جبريل. وفي رواية ابن مردويه: فقلت: يا رسول الله، هل رأيت ربك؟ فقال: "لا إنما رأيت جبريل منهبطا"، حيث حكت النفي عنه ﷺ. وقال: هو (أي جزم النووي بأن عائشة لم تنف بالرؤية بحديث مرفوع) عجيب. فأقول: هذا الإيراد عجيب؛ لأن النفي في هذا الحديث المرفوع إنما يتعلق بالرؤية الخاصة المذكورة في هذه الآية، لا مطلق الرؤية، والكلام في مطلقها، فافهم.

حاصل اس عبارتِ عربیہ کا یہ ہے کہ اگر کسی کو شبہ ہو کہ بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! هل رأيت ربك؟ فقال: "لا، إنما رأيت جبريل منهبطا". پس نفی رؤیت کی نص سے ہوئی، رائے سے نہ ہوئی، جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق رؤیت سے سوال نہ تھا، بلکہ آیت ﴿ولقد رآه نزلة أخرى﴾ کی تفسیر کا پوچھنا تھا کہ مراد اس سے رؤیتِ الٰہیہ ہے، اس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا ہے، چناں چہ اسی حدیث میں یہ مصرح ہے جس کو مسلم نے اور حسبِ نقل فتح الباري ابنِ مردویہ نے روایت کیا ہے: هل رأيت ربك؟ اسی روایت ابنِ مردویہ میں آیا ہے۔ فتح الباري کی عبارت حاشیۂ مسلم مطبوعہ مجتبائی میں نقل کی ہے۔

نمازوں کے ملنے سے مراد یہ ہے کہ آخر میں پانچ رہ گئیں اور ظاہراً یہ سب کلام مقامِ رؤیت میں ہوئے ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ واقعہ نوزدہم میں مقامِ صریف الاقلام کے بعد نمازوں کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور مقامِ صریف الاقلام کے بعد ظاہراً یہی مقام کلام معلوم ہوتا ہے، گو ممکن ہے کہ نماز کی فرضیت قبل از انتقالِ مقامِ صریفِ اقلام کے ہوئی ہو اور خود یہ امور جن کے ساتھ کلام واقع ہوا ظاہراً متّحد الوقت ہیں، جب فرضیتِ صلوٰۃ کا یہ وقت ہے تو سب مکالمات کا یہی ہوگا۔ والله أعلم

اور یہ جو حدیثوں میں کعب کا قول ہے:

إن الله قسم رؤيته و كلامه بين محمد و موسى (كذا رواه الترمذي)

اس سے نفی کلام کی لازم نہیں آتی، کیوں کہ مراد اس سے عادت کلام کی ہے جو مرةً بعد أخرى ہو، اور حضورِ اقدس ﷺ سے ایسا کلامِ خاص ایک ہی بار واقع ہوا، چناں چہ اسی حدیث میں کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

فكلم موسى مرتين، ورآه محمد مرتين. اور یہ رؤیت مرتین جو فرمایا تو ظاہر یہی ہے جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک بار دل سے دیکھا، ایک بار بصر سے۔ اور یہ جو حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نسبت آیا ہے کہ ان کے قبل کسی سے مشافہتاً کلام نہیں ہوا، مراد اس سے یہ ہے کہ ایسے درجے کے آدمیوں میں، پس اس سے مکالمتِ نبویہ کی نفی نہیں ہوئی۔ اور یہ جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''خلت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور رؤیت حضرت محمد ﷺ کے لیے'' مراد اس سے بعض آثارِ خاصہ خلت کے ہیں۔ تو ان کے اختصاص بابراہیم علیہ السلام سے انتفاء نفسِ خلت کا حضور ﷺ سے لازم نہیں آتا۔ اور یہ جو ارشاد ہوا کہ ''نیکی کا ارادہ لکھا جاتا ہے اور بدی کا نہیں لکھا جاتا'' مراد اس سے مرتبہ عزم کا نہیں، وہ تو خود ایک عمل ہے کہ بدی میں بھی لکھا جاوے گا، بلکہ مراد اس سے مرتبۂ تمنّی ہے، جب کہ ارادہ پختہ نہ ہوا ہو، لیکن نیکی کی تمنّی کو زائل کرنے کا قصد نہ ہو اور بدی کی تمنّی کے ازالے کا قصد ہو تو اس حالت میں نیکی لکھی جاوے گی اور بدی نہ لکھی جاوے گی۔

واقعہ بست و دوم، واپسی فوقِ سماوات سے سماوات کی طرف: ''بخاری'' میں بعد سیرِ بیت المعمور اور پیش ہونے ظروف خمر و لبن و عسل کے (جس کا ذکر واقعہ ہشتم میں ہوا ہے) یہ ہے کہ پھر مجھ پر ہر رات دن میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں، پھر میں واپس ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں واپس ہوا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازوں کا رات دن میں حکم ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کی امت سے پچاس نمازیں ہرگز رات دن میں نہ پڑھی جاویں گی۔ واللہ! میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں، اپنے رب کے پاس (یعنی اس مقام کو جہاں یہ حکم ہوا تھا) واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ میں واپس گیا، سو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا، سو دس اور کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا، سو دس اور کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا تو مجھ کو ہر روز میں دس نمازوں کا حکم ہوا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پھر اسی طرح کہا، میں پھر لوٹا، سو ہر روز میں پانچ نمازوں کا حکم رہ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت (یعنی سب امت) ہر دن میں پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکیں گی اور میں آپ کے قبل لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھگت چکا ہوں، پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنے لیے اور تخفیف مانگیے۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی، یہاں تک کہ میں شرما گیا (گو پھر بھی عرض کرنا ممکن تھا)، لیکن اب راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں: جب وہاں سے آگے بڑھا، ایک پکارنے والے نے (حق تعالیٰ کی جانب سے) پکارا: میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ اور مسلم کی روایت میں پانچ پانچ کا کم ہونا آیا ہے، اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اے محمد! یہ پانچ نمازیں ہیں دن اور رات میں اور ہر نماز دس کے برابر ہے تو پچاس ہی ہو گئیں۔ اور ''نسائی'' میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں نے جس روز آسمان و زمین پیدا کیا تھا، آپ پر اور

آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں تھیں، سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کیجیے۔ اور اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئیں تھیں، مگر ان سے نہ ہو سکیں اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ یہ پانچ ہیں برابر پچاس کے، سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں پہچان گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے کہا: پھر جائیے (اور تخفیف کرائیے)، مگر میں پھر نہیں گیا۔ اور شیخین کی روایت میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد ہوا کہ یہ پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں، میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیل اور کمی نہیں ہوئی اور پچاس نمازوں کا بدلنا ہی مقدر تھا، اس لیے اس میں بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ (كذا في المشكاة)

فائدہ: فرضیتِ صلوٰۃ کے بعد واپس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فوراً واپسی ہوئی، یعنی درمیان میں رؤیت و مکالمت وغیرہ ہو کر پھر واپسی ہوئی۔ اور دس دس کم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دو دو بار میں یہ دس کی کمی ہوئی، پس پانچ پانچ کی کم ہونے کی روایت سے شیخین کی روایت نقل کی ہے، اس سے آپ کے شرما جانے اور پھر درخواست نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا تھا کہ یہ پانچ ہیں برابر پچاس کے اور میرے یہاں بات نہیں بدلتی، اس سے آپ اشارہ اس عدد کے مطلوب و مرضیِ حق ہونے کا سمجھے، گو اس میں تصریح نہیں ہے کہ اس سے کمی ممکن نہیں، کیوں کہ اس کے معنی یہ تھے کہ موجودہ عدد جو پانچ کا ہے یہ بھی پچاس کے برابر ہے ثواب میں کمی نہیں ہوئی اس میں، اور کم ہونے کی نہ نفی ہے، نہ کم کرانے کی نہی ہے، اگر اور بھی کم ہوتی تو ثواب نہ گھٹتا اور وہ عدد پچاس کے برابر ہو جاتا۔ اور پانچ کو جو برابر پچاس کے فرمایا تھا اس سے یہ لازم نہیں آیا تھا کہ اس سے کم عدد اس فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ اس کے معنی صرف یہ تھے کہ یہ عدد اس سے کم فضیلت نہیں رکھتا۔

واقعہ بست وسوم، واپسی سماوات سے زمین کی طرف: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو امِ ہانی بنتِ طالب سے جن کا نام ہند ہے معراجِ نبوی کے متعلق یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ آپ کو

جب معراج ہوئی آپ میرے گھر میں سوتے تھے، آپ نے عشا کی نماز پڑھی، پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے، جب فجر کے قبل کا وقت ہوا ہم کو رسول ﷺ نے بیدار کیا، جب آپ صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، فرمایا: اے امِ ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی جیسا تم نے دیکھا تھا، پھر میں بیت المقدس پہنچا اور اس میں نماز پڑھی، پھر میں نے اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی جیسا تم دیکھ رہی ہو، پھر آپ باہر جانے کے لیے اٹھے، میں نے آپ کی چادر کا گوشہ پکڑ لیا اور عرض کیا: یا نبی اللہ! لوگوں سے یہ قصّہ نہ کہیے، آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔ آپ نے فرمایا: واللہ! میں ضرور ان سے اس کو بیان کروں گا۔ میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا کہ آپ کے پیچھے پیچھے جا، تا کہ جو آپ لوگوں سے کہیں اور لوگ آپ سے کہیں اس کو سنے۔

جب آپ باہر تشریف لے گئے، ان کو خبر دی، انھوں نے تعجب کیا اور کہا: اے محمد! اس کی کوئی نشانی ہے؟ (جس سے ہم کو یقین آوے) کیوں کہ ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی، آپ نے فرمایا: نشانی اس کی یہ ہے کہ میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور میں نے ان کو بتلایا تھا اور اس وقت تو میں شام کو جا رہا تھا (یعنی سفرِ اسرا کا آغاز تھا) پھر میں واپس آیا، یہاں تک کہ جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا، میں نے لوگوں کو سوتا ہوا پایا اور ان کا ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور اس کو ڈھانک رکھا تھا، میں نے ڈھکنا اتار کر اس میں کا پانی پیا، پھر اسی طرح بدستور ڈھانک دیا، اور اس کی یہ بھی نشانی ہے کہ ان کا وہ قافلہ اب بیضا سے ثنيّة التنعيم کو آ رہا ہے، سب سے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے، اس پر دو بورے لدے ہیں: ایک کالا، دوسرا دھاری دار۔

لوگ ثنيّة التنعيم کی طرف دوڑے، سو اس اونٹ سے پہلے کوئی اور اونٹ نہیں ملا جیسا آپ نے فرمایا تھا اور ان سے برتن کا قصّہ پوچھا، انھوں نے خبر دی کہ ہم نے پانی بھر کر ڈھانک دیا تھا، سو ڈھکا ہوا تو ملا، مگر اس میں پانی نہ تھا۔ اور ان دوسروں سے بھی پوچھا (جن کا اونٹ بھاگنا بیان فرمایا تھا) اور یہ لوگ مکّہ آ چکے تھے، انھوں نے کہا: واقعی صحیح فرمایا، اس وادی

میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا، ہم نے ایک شخص کی آواز سنی جو اونٹ کی طرف ہم کو پکار رہا ہے، یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔ (كذا في سيرة ابن هشام) اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ سے نشانی کی درخواست کی تو آپ نے ان کو بدھ کے دن قافلے کے آنے کی خبر دی، جب وہ دن آیا تو وہ لوگ نہ آئے، یہاں تک کہ آفتاب غروب کے قریب پہنچ گیا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آفتاب چھپنے سے رُک گیا، یہاں تک کہ وہ لوگ جیسا آپ نے بیان فرمایا تھا آ گئے۔

فائدہ: ان روایات سے چند امور ثابت ہوئے: اول عشا اور فجر کے درمیان درمیان سفر ذهاباً وإياباً ختم ہو گیا اور عشا کی نماز گو اس وقت فرض نہ تھی، مگر آپ پڑھا کرتے ہوں گے اور دوسرے مومنین بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیتے ہوں گے، اور فجر کی یہ نماز گو بعد معراج کے تھی، مگر احادیث سے اول امامت جبریل علیہ السلام کی ظہر کے وقت ثابت ہوتی ہے تو غالباً اس فرضیت کی ابتدا مؤقت بظهر ہوگی۔ اور بیت المقدس میں جو نماز پڑھی اس کی نسبت بعض روایات میں آیا ہے: حانت الصلاة سو عشا کی نماز مراد لینا مشکل ہے، کیوں کہ عشا آپ پڑھ چکے تھے تو غالباً یہ تہجد کی نماز ہوگی کہ آپ پر وہ ایک زمانہ تک مثلِ فرائض کے مؤکد رہی اور اذان اسی تہجد کے لیے ہوئی ہوگی، جیسا رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اس وقت میں وارد ہے۔

دوسرا امر یہ ثابت ہوا کہ معراج جسمانی تھی، ورنہ لوگوں کی تکذیب کی کیا وجہ؟ اور اس تکذیب میں آپ کے اس جواب نہ دینے کی کیا وجہ کہ وہ جسمانی نہیں ہے، بلکہ روحانی و منامی ہے جس میں مستبعد سے مستبعد امر کا دعویٰ بھی مقبولیت کی گنجائش رکھتا ہے۔ تیسرا امر ''سیرتِ ابن ہشام'' میں جن قافلوں کا ذکر ہے ظاہراً وہ دونوں الگ الگ ہیں اور بیہقی کی روایت میں جن کا ذکر ہے کہ وہ آئے نہ تھے یہ الگ معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان دونوں میں سے ایک تو مکّہ آ پہنچا تھا اور دوسرا تنعیم کو آتا ہوا ملا، اور اس تیسری کی نسبت شام تک نہ آنا اور حبسِ شمس ہونا مذکور ہے، جس سے ظاہراً اس کا متغائر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ''مواہب'' میں بلا سند دونوں

قصّے یعنی اونٹ کے بھاگنے اور خاکستری اونٹ کے پیشرو ہونے کے ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب کیے ہیں تو غالبًا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قافلے ایک ہی قافلہ کے ٹکڑے ہیں۔

یہ دو قصّے دو جماعتوں میں ہوئے۔ اور تیسرا قصّہ وقت پر نہ آنے کا اور حبسِ شمس کا تیسری جماعت سے ہوا اور چوں کہ یہ سب ایک ہی مجموع کے آحاد ہیں، اس لیے دو قصوں کو ایک ہی قافلہ کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ اور حبسِ شمس میں کوئی اشکالِ عقلی نہیں ہے، اس لیے یہ وجہ انکار کی نہیں ہوسکتی ہے اور عام چرچا اس کا اس لیے نہ ہوا ہو کہ تھوڑی دیر کے لیے ایسا ہوا ہو اور کسی نے التفات نہ کیا ہو۔ اور یہ امر باوجود تلاش کے مجھ کو نہ ملا کہ واپسی آپ کی براق پر ہوئی تھی یا کسی اور طرح، اگر کسی کو پتا لگ جاوے اس مقام پر حاشیہ کا نشان بنا کر اس میں ملحق کردے۔

واقعہ بست وچہارم، معاملہ مخاطبین بعد استماعِ قصّہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شبا شب مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا (اس میں آگے کی نفی نہیں) تو صبح کو لوگوں سے تذکرہ فرمایا، بعضے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہوگئے اور بعضے مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور کہا کہ اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے؟ یوں کہتے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس میں لے جایا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وہ ایسا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ کہنے لگے: کیا تم اس امر میں ان کی تصدیق کرتے ہو کہ بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے چلے آئے، (حالاں کہ وہ کس قدر دور ہے!)۔ انھوں نے فرمایا: ہاں! میں تو اس سے زیادہ بعید امر میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو ان کے پاس صبح یا شام کو آتی ہے (جو کہ شب سے مقدار میں کم ہے) ان کی تصدیق کرلیتا ہوں۔ اسی لیے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ روایت کیا اس کو حاکم نے ''مستدرک'' میں اور ابنِ اسحاق نے۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی، ورنہ اگر آپ منام کا دعویٰ فرماتے تو وہ ایسا امرِ مستبعد نہ تھا کہ بعضے لوگ مرتد ہوجاتے۔

واقعہ بست وپنجم، مطالبۂ حجت از کفار وافامتش از سید الابرار علیہ صلاۃ اللہ العزیز الغفار:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفرِ معراج کے متعلق پوچھتے تھے، سوانھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں کہ جن کو میں نے (بوجہ ضرورت نہ سمجھنے کے) ضبط نہ کیا تھا، سو مجھ کو اس قدر گھٹن ہوئی کہ ایسا کبھی نہ ہوا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لیے ظاہر کردیا کہ میں اس کو دیکھتا تھا اور وہ جو جو مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتلا جاتا تھا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔(كذا في المشكاة) اور احمد اور بزار نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ مسجد لائی گئی اور میں اس کو دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ عقیل کے گھر کے پاس لاکر رکھی گئی اور آپ نے سب بیان فرمایا اور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ اور ابنِ سعد نے امِ ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس میرے لیے متخیل (ومتمثل) کیا گیا اور میں اُن لوگوں کو اس کے نشان بتلا رہا تھا۔ اور امِ ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ مسجد کے کئے دروازے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو (بوجہ غیر ضروری ہونے کے) گنا نہ تھا، آپ فرماتے ہیں کہ بس میں اس کو دیکھتا جاتا تھا اور ایک ایک دروازہ شمار کرتا جاتا تھا۔ اور ابو یعلی کی روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والا مطعم بن عدی والدِ جبیر بن مطعم کا تھا۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بیداری میں مع الجسم ہوا ہے، ورنہ یہ اعتراض متوجہ ہی نہ ہوتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا کہ آپ بیان فرمائیے، کیوں کہ میں نے اس کو دیکھا ہے، آپ بیان فرماتے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تصدیق کرتے جاتے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! تم صدیق ہو۔(كذا في سيرة ابن هشام) تو اس میں کچھ تعارض نہیں، کیوں کہ آپ کا پوچھنا شک وامتحان کے لیے نہ تھا، بلکہ اس لیے تھا کہ کفار سن لیں اور کفار کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اس امر میں اعتماد تھا کہ بیت المقدس کو دیکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ محسوسات میں خلافِ واقع کی تصدیق نہ کریں گے۔ اور کفار کا دریافت کرنا یا تو اسی مجلس میں ہو، پھر بادی خواہ وہ ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوں۔ اور دوسرا مؤید سوال کا ہو، گو قصد ہر ایک کا مختلف ہو، اور یا دو مجلس ہو۔ اور بیت المقدس کا اپنی جگہ پر رہ کر ظاہر ہونا یا دارِ عقیل کے پاس آکر رکھا جانا یا اس کی مثال کا منکشف ہونا۔ ان میں جمع

کی صورت سہل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی مثال منکشف ہوئی اور وہ دارِ عقیل کے پاس نمایاں ہوئی، جیسا نسائی کی حدیث میں آپ کے سامنے دوزخ جنّت کا متمثّل ہونا آیا ہے اور غایتِ تشابہ کی وجہ سے اس کو بیت المقدّس کا منکشف ہونا فرمایا گیا۔ اب یہ اشکال بھی نہ رہا کہ اگر بیت المقدّس یہاں آتا تو اپنی جگہ سے اتنی دیر غائب رہتا اور ایسا امرِ عجیب تاریخ میں منقول ہوتا۔

وهـــذا آخـــر مـــا أردت [۱]

إيـــراده فـــي هـــذا الـــخبـــر

ومـــضـــى الـــليـــل وبدأ السحـــر

وصلى اللّٰه تعالى على هذا النبي خير الخلائق

والبشر وعلى آله وأصحابه مصابيح الغرر.

---

[۱] اور تین قصے روایاتِ معراج میں اور آئے ہیں: ایک یہ کہ آپ نے ایک قوم کو دیکھا کہ تانبے کے ناخنوں سے اپنا منہ نوچتے ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ کی امت کو سلام فرما کر بھیجا۔ تیسرے یہ کہ ملائکہ نے عرض کیا کہ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا معالجہ کے لیے مشورہ دیجیے۔ اس وقت مجھ کو یہ حدیثیں نہیں ملیں، جس کو مل جائیں حاشیہ میں ملحق کردیں۔

حاشية الحاشیہ: ان روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

حدیث اول: أخرج أحمد وأبو داود من طريق عبد الرحمن بن جبير عن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: لما عرج بي مررت بقوم لهم أظفار من نحاس يخمشون وجوههم وصدورهم، فقلت: من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس، ويقعون في أعراضهم. الدر المنثور في تفسير القرآن بالمأثور، مطبوعہ مصر، جلد رابع: صفحہ: ۱۵۰۔

حدیث ثانی: أخرج الترمذي وحسنه وابن مردوية من طريق عبد الرحمن عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله ﷺ: لقيت إبراهيم ليلة أسري بي، فقال: يا محمد، أقرئ أمتك مني السلام، وأخبرهم بأن الجنة طيبة التربة عذبة الماء، وأنها قيعان وأن غراسها: سبحان اللّٰه والحمد لله، ولا إله إلا الله والله أكبر، ولا حول ولا قوة إلا بالله (حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين ﷺ: صفحه: ۳۵۵.

حدیث ثالث: عن ابن مسعود، قال: حدث رسول الله ﷺ عن ليلة أسري به: أنه لم يمر على ملأ من الملائكة إلا أمروه مر أمتك بالحجامة. رواه الترمذي وابن ماجة. وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب (مشكاة المصابيح كتاب الطب والرقى، صفحه: ۳۸۹) لبعض الأفاضل

فوائدِ متعلّقہ واقعۂ معراج

چوں کہ یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے، اس لیے اس کے بعض فوائدِ متعلّقہ کو بھی اس کے بعد متن ہی میں لکھنا مستحسن معلوم ہوا، مگر اختصار کے ساتھ۔ اور یہ فوائد دو قسم کے ہیں: ایک فوائدِ حُکمیہ بضم الحا، جس کا حاصل احکامِ عملیہ ہیں۔ دوسرے فوائدِ حِکمیہ بکسر الحا، جس کا حاصل تحقیقاتِ علمیّہ ہیں۔

قسمِ اول فوائدِ حُکمیہ بالضم

نمبر۱: احادیثِ اسرا میں مذکور ہے کہ آپ کا سینۂ مبارک شق کیا گیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو مرد کے سینے کی طرف دیکھنا درست ہے، اور گو فرشتے ذکورت وانوثت سے منزہ ہیں، مگر اطلاقاتِ شرعیہ میں ان کا ذکر بصیغِ ذکور آیا ہے، اس لیے یہ استنباط چسپاں ہوگیا۔

نمبر۲: اور اس میں یہ ہے کہ بیت المقدس پہنچ کر بُراق کو حلقہ سے باندھ دیا گیا، اس سے احتیاط فی الامور ومباشرتِ اسباب کا منافیِ توکل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ اعتماد حق تعالیٰ پر ہو۔

نمبر۳: اور اس میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام سے جب آسمان کے دروازہ پر پوچھا گیا کہ کون ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتلایا کہ ''جبریل''، یوں نہیں کہا کہ ''میں''، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے پوچھنے والے کے جواب میں ادب یہی ہے کہ نام لے، کیوں کہ صرف ''میں'' کہنا اکثر اوقات معرفت کے لیے کافی نہیں ہوتا، ایک حدیث میں اس پر انکار بھی آیا ہے۔

نمبر۴: اور اسی سے استیذان کا مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کے گھر میں خواہ مردانہ ہی ہو بلا اذن داخل ہونا نہ چاہیے۔

نمبر۵: اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ سے کمر لگانا اور قبلہ کی طرف پشت پھیر کر بیٹھنا جائز ہے، اگر چہ

ہمارے لیے ادب یہی ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کریں۔

نمبر ۶: اور اس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام داہنی طرف دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے تھے، اس سے شفقت والد کی اولاد پر ثابت ہوتی ہے، اس کی خوش حالی پر مسرور ہو اور بدحالی پر مغموم ہو۔

نمبر ۷: اور ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر روئے کہ ان کی امت کے لوگ جنّت میں میری امت کے لوگوں سے زیادہ جاویں گے، چوں کہ یہ رونا اپنی امت پر حزن وحسرت اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ تابعین پر غبطہ کے طور تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ امرِ خیر میں غبطہ محمود ہے۔ اور غبطہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنّا کرے کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی، اور دوسرے کے پاس سے زوالِ نعمت کی تمنّا نہ کرے، ورنہ یہ حسد ہے اور حرام ہے۔ یہ فوائد نووی شارح ''مسلم'' نے لکھے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور فوائد بھی جو خیال میں آئے، لکھے جاتے ہیں۔

نمبر ۸: ان میں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ راکب اگر کسی مصلحت سے اپنے خدم سے ایسا کام لے، یا کوئی محبّ محض اکرام ومحبّت سے ایسا کرے تو اس کو گوارا کرلینا جائز ہے، البتہ براہِ کبر نہ ہو۔

نمبر ۹: ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے راہ میں بعض مقاماتِ متبرکہ میں نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ مقاماتِ شریفہ میں نماز پڑھنا موجبِ برکت ہے، بشرطیکہ اس مقام سے کسی مخلوق کی تعظیم مقصود نہ ہو، خوب سمجھ لو! نازک بات ہے۔

نمبر ۱۰: اور ان میں یہ بھی ہے کہ راہ میں آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، جیسا کہ واقعہ ششم میں مذکور ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر راکب اور عابر کسی جالس وراجل کو نہ دیکھنے کی وجہ سے سلام نہ کرسکے تو اس کے لیے افضل ہے کہ راکب وعابر کو سلام کرے۔

نمبر ۱۱: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بعض اعمال پر لوگوں کو جزا ملتے ہوئے اور بعض کو سزا

ملتے ہوئے دیکھا، اس سے اُن اعمالِ خیر وشر کا قابلِ ارتکاب یا اجتناب ہونا ثابت ہوا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

نمبر۱۲: ان میں یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں داخل ہوکر نماز پڑھی، اس سے تحیة المسجد کا مسنون ہونا ثابت ہوا۔

نمبر۱۳: ان میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدّس میں آپ امام بنائے گئے، اس سے ثابت ہوا کہ امامت أفضل القوم کی افضل ہے۔

نمبر۱۴: اور ان میں یہ بھی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام نے بیت المقدّس میں اپنے فضائل کا خطبہ پڑھا، اس سے ثابت ہوا کہ اگر حق تعالیٰ کی نعمتوں کا بطورِ شکر و تحدث بالنعمة کے ظاہر کرے تو محمود ہے۔

نمبر۱۵: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کو پیاس لگی تو کئی قسم کے مشروبات آپ کے سامنے حاضر کیے گئے، اس سے ثابت ہوا کہ توسع مآکل و مشارب میں خصوص ضیف کے لیے جائز ہے۔

نمبر۱۶: اور اگر اس پیشی کی غرض پر نظر کی جائے کہ امتحان تھا، تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں امتحان لینا جائز ہے۔

نمبر۱۷: اور ان میں یہ بھی ہے کہ فرشتے آپ کو دونوں طرف گھیرے ہوئے تھے جیسا واقعہ دہم میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اکرام کے لیے خادم دونوں طرف گھیرے ہوں تو مذموم نہیں۔

نمبر۱۸: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ جب آسمانوں پر پہنچے تو فرشتوں نے اور انبیا علیہم السلام نے آپ کو مرحبا کہا، اس سے معلوم ہوا کہ ضیف کا اکرام اور اظہارِ فرحت اس کے آنے پر مطلوب ہے۔

نمبر۱۹: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے آسمانوں میں خود انبیا علیہم السلام کو سلام کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے، اگرچہ آنے والا افضل ہو۔

نمبر۲۰: اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسرے انبیا علیہم السلام کے فضائل ذکر کر کے اپنے لیے

دعا فرمائی، اس سے مقامِ قرب میں پہنچ کر بھی دعا کی فضیلت معلوم ہوئی۔

نمبر ۲۱: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو مشورہ دیا کہ تخفیفِ عددِ صلوٰۃ کی درخواست کیجیے، اس سے معلوم ہوا کہ نیک مشورہ دینا اور خیر خواہی کرنا امرِ مطلوب ہے، گو جس کو مشورہ دیا جاوے وہ اپنے سے رتبے میں بڑا ہی ہو۔

نمبر ۲۲: ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے تخفیفِ صلوٰۃ کی درخواست کی، اس سے معلوم ہوا کہ مفید مشورہ کو قبول کر لینا محمود ہے۔

نمبر ۲۳: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا کہ اس قصّہ کو لوگوں سے نہ فرمائیے جیسا کہ واقعہ ۲۳ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے اظہار سے فتنہ ہوتا ہو اس کو ظاہر نہ کیا جاوے، کیوں کہ مبنیٰ ان کے مشورے کا یہی اصل ہے۔

نمبر ۲۴: پھر آپ کے جواب سے معلوم ہوا کہ اس اصل میں تفصیل ہے، یعنی جو امر دین میں ضروری نہ ہو اس کو ظاہر نہ کیا جاوے، اور ضروری میں فتنہ کی کچھ پروانہ کی جاوے۔

نمبر ۲۵: ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدّس کے حالات پوچھے، جس سے غرض یہ تھی کہ میری تصدیق کرنے سے کفار وثوق کریں گے جیسا کہ واقعہ ۲۵ میں مذکور ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ مکالمتِ اہلِ حق واہلِ باطل کے وقت تاییدِ حق کے لیے گفتگو میں ظاہراً مخالف کا طرف دار بن جانا بھی جائز ہے۔ یہ کل پچیس ہوئے مطابق عددِ واقعات کے۔ واللہ أعلم.

قسمِ ثانی فوائدِ حِکمیہ بالکسر

اور یہ بھی پچیس ہیں: پندرہ تنبیہ کے عنوان سے، پانچ تحقیق کے عنوان سے، اور پانچ دفعِ اشکال کے عنوان سے، چناں چہ آتا ہے۔ اور یہ قسمِ ثانی بصورتِ تفسیرِ آیاتِ اسرا لکھی جاتی ہے، جس کو اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' سے نقل کر دیا ہے، وھو ھذا.

تفسیر آیۃ الإسراء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝﴾.

وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجدِ حرام (یعنی مسجدِ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد (کہ ملک شام ہے) ہم نے (دینی و دنیوی) برکتیں کر رکھی ہیں۔ (دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بکثرت انبیا مدفون ہیں۔ دنیوی برکت یہ کہ وہاں اشجار و انہار و پیداوار کی کثرت ہے۔ غرض اس مسجدِ اقصیٰ تک عجیب طور پر اس واسطے لے گیا) تاکہ ہم ان (بندہ) کو اپنی کچھ عجائباتِ قدرت دکھلا دیں (جن میں بعض تو خود وہاں کے متعلق ہیں، مثلاً: اتنی بڑی مسافت مدتِ قصیرہ میں طے کرنا، سب انبیا علیہم السلام کو دیکھنا، ان کی باتیں سننا، وغیرہ ذلک۔ اور بعض آگے کے متعلق ہیں، مثلاً: آسمانوں پر جانا اور عجائباتِ کثیرہ دیکھنا) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں (چوں کہ رسولِ مقبول ﷺ کے اقوال کو سنتے احوال کو دیکھتے تھے، اس لیے ان کو اس طرح مکرم و مقرب بنایا)۔

فائدہ: اس مقام پر چند تنبیہات اور چند تحقیقات اور چند دفعِ اشکالات ہیں۔

تنبیہ اول: ﴿سُبۡحٰنَ﴾ تنزیہ و تعجیب کے لیے مستعمل ہے، چوں کہ یہ لے جانا عجیب تھا اور عجیب ہونے کی وجہ سے قدرتِ عظیمہ پر دال ہے، اس لیے اس سے شروع کرنا مناسب ہوا۔ اور اسی لیے احقر نے ترجمہ میں لفظ ''عجیب طور پر'' کو ظاہر کر دیا۔ اور یہ جانا بُراق پر تھا جیسا صحاح میں ہے، جس کی برق رفتاری بھی عجیب تھی۔

تنبیہ دوم: اس مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جانے کو اِسرا کہتے ہیں، اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں اور گاہے دونوں لفظ مجموعہ پر اطلاق کیے جاتے ہیں۔

تنبیہ سوم: یہاں بِعَبۡدِہٖ کہنے سے دو فائدے ہیں: ایک تو اظہار آپ کے قرب و قبول کا،

دوسرے اس عجیب معجزے کی وجہ سے کوئی آپ پر الوہیت کا شبہ نہ کر سکے۔

تنبیہ چہارم: ہر چند کہ اَسریٰ رات ہی کے لیے چلنے کو کہتے ہیں، لیکن لَیْلًا کی تصریح اس لیے ہے کہ تا باعتبارِ عرف ومحاورات کے تبعیض پر دال ہو، اور زیادہ دلالت کرے قدرت پر کہ تھوڑی ہی رات میں اتنا دراز کام کرلیا گیا۔ اور دلالة على التبعيض کی تصریح عبدالقاہر سے اور اس کی توجیہ سیبویہ اور ابنِ مالک سے صاحبِ روح نے اس طرح نقل کی ہے:

الليل والنهار إذا عرفا كانا معيارا للتعميم وظرفا محدودا بخلاف المنكر، فلما عدل عن تعريفه علم أنه لم يقصد استغراق السري.

تنبیہ پنجم: مسجدِ حرام کا اطلاق گاہے مطلق حرم پر بھی آتا ہے اور یہاں دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں، کیوں کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے۔ اور بعض میں آیا ہے کہ امِ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ پس آیت کو دونوں پر محمول کر سکتے ہیں اور وجہ تطبیق دونوں حدیثوں میں بہت سہل ہے، کیوں کہ امِ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے حطیم میں آجانا اور وہاں سے آگے جانا کوئی امرِ مستبعد نہیں۔

تنبیہ ششم: مسجدِ اقصیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اقصیٰ کے معنی عربی میں ہیں بہت دور، چوں کہ وہ مسجد مکّہ سے بہت دور ہے اس لیے اقصیٰ کہا گیا۔

تنبیہ ہفتم: ہر چند کہ عجائبات کا مشاہدہ بدون آپ کے لے جائے ہوئے بھی ممکن تھا، لیکن اس میں اور اسی طرح رکوب میں اور زیادہ اکرام واظہارِ شان ہے، اس لیے آپ کو اس طرح لے گئے۔

تنبیہ ہشتم: رات کی تخصیص میں یہ حکمت لکھی ہے کہ عادتاً وہ وقت خلوت کا ہے، اس میں بلانا دلیل ہے زیادتِ اختصاص کی۔

تنبیہ نہم: یہاں مسجدِ اقصیٰ سے مراد صرف اس مسجد کی زمین ہے کہ حقیقت میں مسجد اصالتاً زمین ہی ہوتی ہے اور عمارت تو تبعاً مسجد ہوتی ہے۔ وجہ اس مراد لینے کی یہ ہے کہ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے درمیان میں اس کی عمارت منہدم

کر دی گئی تھی، چناں چہ عنقریب تفسیرِ آیت ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾[1] میں مذکور ہوگا، اس لیے ظاہراً اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کا جب اس وقت وجود ہی نہ تھا پھر وہاں تک لے جانے کے کیا معنی؟ پس اس مراد کی تعیین سے وہ شبہ جاتا رہا۔ اور اگر اس حدیث پر شبہ ہو کہ کفار معترضین نے آپ سے بیت المقدس کی ہیئت وکیفیت دریافت کی تھی اس کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو منہدم عمارت کی ہیئت وکیفیت دریافت کرنا بھی ممکن ہے، علاوہ اس کے اس زمین کے قرب میں لوگوں نے کچھ عمارتیں بنام نہاد بیت المقدس کے بنائی تھیں، اس سے بھی سوال ممکن ہے۔

تنبیہ دہم: ﴿الَّذِيْ بٰرَكْنَا﴾ بطورِ مدح کے بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوگیا، کیوں کہ جب اس کے آس پاس باوجود مسجد نہ ہونے کے برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہوگی۔ کیوں کہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں: ایک دنیوی، سو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے، اور دوسری دینی کہ مدفنِ انبیا ہے، سو دفن ہونا صرف تلبس جسم کا ہے اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر انبیا علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے تلبس روح کا ہے اور یہ زیادہ موجبِ برکت ہوگا، خصوص جب کہ وہاں ہی رہ کر عبادت کریں کہ جسم کا تلبس بھی ہو جاوے گا، کیوں کہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ اکثر انبیا کا معبد اور محلِ عبادت بھی رہا ہے۔ پس اس طرح خود اس مسجد کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہوگئی۔ پس بعض کتب میں جو لکھا ہے کہ موضعِ جسدِ شریف رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے بھی افضل ہے، اس کا فضیلتِ جزئی پر محمول کرنا مناسب ہے۔ واللّٰه أعلم.

تنبیہ یازدہم: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ میں آیات کا اطلاق جو کہ عرفاً عظیم اور کمال پر دال ہوتا ہے اور آیاتِ سماویہ خصوصاً جب کہ آسمانوں پر انبیا بھی تھے جیسا احادیثِ معراج میں ہے آیاتِ ارضیہ سے اعظم اور اکمل ہیں۔ اس طرح یہ اطلاق مشیر ہے کہ مسجدِ اقصیٰ سے آگے بھی آپ کو لے گئے، اسی لیے "روح المعاني" میں یوں تفسیر کی ہے: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ أي

[1] اسراء: ۴۔

لنرفعه إلى السماء، حتى يرى ما يرى من العجائب. مگر تصریح نہ کرنے میں شاید یہ نکتہ ہو کہ وہ اور زیادہ عجیب ہے اور انکار اس کا قریب ہے اور نصِ قطعی کا انکار کفر ہے، پس تصریح نہ کرنا رحمت ہے ضعفا کے ساتھ۔

تنبیہ دوازدہم: مِنْ کا تبعیضیہ لینا اس وجہ سے ہے کہ واقع میں ایسا ہی ہوا تھا، چناں چہ صحاح میں ہے کہ أسمع صريف الأقلام کہ قلم کے چلنے کی آواز آتی تھی اور ظاہراً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم نہیں دیکھے، وعلى هذا.

تنبیہ سیزدہم: اَسْرٰی میں ضمیر غائب کی ہے، اس سے شروع کیا گیا اور ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ﴾ پر کہ اس میں بھی ضمیر غائب کی ہے ختم کیا گیا، اور درمیان میں ضمیرِ متکلم کہ دال تعظیم پر بھی ہے لائی گئی، اس میں یہ نکات ہیں:

اول: تجدیدِ کلام وتنشیطِ سامع۔

دوم: برکات اور آیات اور اراءت کا عظیم ہونا۔

سوم: اسرا کے بعد قرب کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ اور قرب کے وقت اصل تکلم ہے۔

تنبیہ چاردہم: ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝﴾[1] کے بڑھانے کا فائدہ علاوہ فائدہ مذکور فی المتن کے ایک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مکذبین کو وعید ہے کہ ہم تمھاری تکذیب ومخالفت کو دیکھتے سنتے ہیں، خوب سزا دیں گے۔

تنبیہ پانزدہم: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ کے بعد اس کا بڑھانا مشیر اس طرف ہے کہ گو رؤیت عجائبات کی رسولِ مقبول ﷺ کو ہوئی، مگر علم میں ہمارے برابر نہیں ہوگئے، کیوں کہ ان کو تو ہم نے دکھلایا اور ہم بالذات سمیع بصیر ہیں، دوسرے انھوں نے بعض آیات کو دیکھا اور ہم علی الاطلاق سمیع بصیر ہیں۔

تحقیقات، تحقیقِ اول: یہاں مسجدِ اقصیٰ تک جانا مذکور ہے۔ اندر جانا احادیث میں مصرح ہے

---

[1] اسراء: ۱۔

کہ آپ اندر تشریف لے گئے اور انبیا علیہم السلام سے ملے اور آپ نماز میں ان کے امام بنے۔

تحقیقِ دوم: آگے آسمانوں کی طرف جانا اس آیت میں مصرح نہیں ہے، گو اس کی طرف اشارہ ہے اور اس سے زیادہ صراحت کے قریب اشارہ سورۂ والنجم میں ہے: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○﴾[1] یعنی آپ نے جبریل علیہ السلام کو دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے اور پہلی بار کا دیکھنا اس کے قبل ﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○﴾[2] میں مذکور ہوا ہے، سو اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تھے، کیوں کہ عِنْدَ متعلق رأى کے ہے پس رؤیت عند السدرہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ "رأى" اور "مرأى" دونوں سدرہ کے پاس ہوں گے۔ پھر حدیثوں میں تو اس کی اس قدر تصریح ہے کہ مجالِ انکار ہی نہیں۔

تحقیقِ سوم: جمہور اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسد کے ساتھ ہوئی اور دلیل اس کی اجماع ہے اور مستند اس اجماع کا یہ امور ہو سکتے ہیں۔

اول: حق تعالیٰ نے جس اہتمام سے قصۂ اسرا کو بیان فرمایا ہے اس سے اس کا غایتِ عجیب ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر یہ نوم میں یا روحانی طور پر ہوتی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

دوسری: بِعَبْدِهٖ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حقیقی اور متبادر معنی جاء ني عبد فلان کے یہی ہیں کہ وہ بیداری میں دھڑ اور جان سمیت آیا، پس "عبد" کا مصداق مجموعہ روح وجسد اور اس محل کا صدور مقید باليقظة ہوتا ہے، إلا أن يصرح علی خلاف ذلك.

تیسری: اگر یہ خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی تھی، یا بیت المقدس اور اپنے قافلہ کے حالات پوچھے تھے، جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے: بعضها في الصحاح، وبعضها رواه البيهقي وغیرہ كما في الدر المنثور تو آپ اس وقت بہت سہولت سے جواب دے دیتے کہ بیداری میں اس کے ہونے کا کب مدعی ہوں؟ جو تم ایسی باتیں کرتے ہو۔ اور بیت المقدس کے ہیئت و کیفیت بیان کرنے کے متعلق فکر میں نہ پڑتے جیسا حدیثوں میں ہے کہ آپ کو فکر ہوئی، حق تعالیٰ نے منکشف کر دیا اور آپ نے بتلا

[1] النجم: ۱۳، ۱۴۔ [2] النجم: ۷۔

دیا۔ (رواہ مسلم) اور بعض کو آیت ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا﴾[1] إلخ سے شبہ ہوا ہے، سو اول تو وہاں احتمال ہے کہ واقعۂ بدر یا عمرۂ مکہ کا خواب مراد ہو، جیسا بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں، ذکرا جمالاً ﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللهُ فِي مَنَامِكَ﴾[2] اور ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا﴾[3] میں آیا ہے۔ اور اگر واقعہ معراج ہی مراد ہو تو رؤیا بمعنی رؤیت ہے، کیوں کہ رأی کے دونوں مصدر ہیں، مثل قربی اور قرابت کے۔ یا بقول بعض شب کی رؤیت کو رؤیا کہتے ہیں، گو بیداری میں ہو یا تشبیھاً رؤیا کہہ دیا ہو، اور وجہ تشبیہ کی عجائب کا دیکھنا ہے، اور یا شب کے وقت واقع ہونا۔ (كذا في روح المعاني) اور بعض کو شریک کی حدیث سے جس کے آخر میں ثم استيقظت ہے شبہ پڑ گیا ہے، سو چوں کہ شریک محدثین کے نزدیک حافظِ حدیث نہیں اور دوسرے حفاظ کے خلاف کیا، اس لیے وہ زیادت غیر مقبول ہے۔ (كذا في روح المعاني) یا محمول ہے تعددِ واقعہ پر، کیوں کہ علما نے لکھا ہے کہ عروجِ روحانی آپ کو کئی بار ہوا ہے، یعنی اس معراج سے پہلے خواب میں عروج ہوا ہے جس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ تدریجاً اس معراجِ اعظم کی استعداد اور برداشت ہو سکے۔ اور بعض کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال سے شبہ ہو گیا ہے، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت تک آپ کے نکاح میں بھی نہ آئی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام بھی نہ لائے تھے، خدا جانے کسی سے سن کر کہا ہے، یا اجتہاداً کہا ہے، یا کسی دوسرے واقعہ کی نسبت کہا ہے؟ إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

تحقیقِ چہارم: بیت المقدس تک جانے کا منکر کافر ہے، اور مؤوِّل مبتدع ہے، اور آگے جانے کا منکر اور مؤوِّل مبتدع ہے، اور ہر چند کہ سورۂ نجم میں قریباً تصریح ہے، لیکن "عند" میں احتمال ہے کہ وہ "رأه" کے مفعول کا حال ہو، اس لیے آپ کے سدرة المنتہیٰ تک پہنچنے میں نص نہیں ہے۔

تحقیقِ پنجم: اس میں اختلاف ہے کہ حق تعالیٰ کو اس شب میں آپ نے دیکھا یا نہیں؟ اس میں سلف اور خلف سب کا اختلاف ہے اور روایات محتمل تاویل کو ہیں، کیوں کہ روایتِ مثبتۂ رؤیت میں احتمال ہے کہ رؤیت بالقلب مراد ہو اور نفیِ رؤیت سے کسی خاص رؤیت کی نفی مراد

---

[1] بنی اسرائیل: ۶۰۔ [2] انفال: ۴۳۔ [3] فتح: ۲۷۔

ہو، مثلاً: قیامت کے روز جنّت میں جو انکشاف ہوگا یہ انکشاف اس سے کم ہو، گو رؤیت صادق آوے، جیسے بے عینک دیکھنا بھی دیکھنا ہے اور عینک سے اور زیادہ انکشاف ہوتا ہے۔ غرض اس مسئلہ میں توقف بہتر ہے۔

دفعِ اشکالات

دفع اشکالِ اول: بعض کو وسوسہ ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باب میں فرمایا ہے ﴿نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1] اور آپ کے لیے من تبعیضیہ کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کل آیات تو نہیں ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ بعض جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا اس بعض سے اعظم ہو۔

دفع اشکالِ دوم: بعض ظاہر پرست شبہ کرتے ہیں کہ خرق والتیام افلاک پر محال ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے سب مقدمات باطل ہیں، جیسا اپنے محل میں مذکور ہے۔

دفع اشکالِ سوم: بعض کہتے ہیں کہ اس قدر سیر سریع کیوں کر ممکن ہے؟ جواب یہ ہے کہ بعض کواکب باوجود اس قدر عظیم ہونے کے نہایت سریع ہیں اور سرعت کی عقلاً کوئی حد نہیں ہے۔

دفع اشکالِ چہارم: بعض کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں اور حرارت شدید ہے، جسم عنصری سلامت نہیں رہ سکتا۔ جواب یہ ہے کہ محال ممکن نہیں ہوتا، لیکن مستبعد واقع ہوسکتا ہے۔

دفع اشکالِ پنجم: بعض کہتے ہیں کہ آسمان ہی موجود نہیں۔ جواب یہ ہے، ھاتو برھانکم إن کنتم صادقین.

---

[1] انعام: ۷۵۔

مِنَ الْقَصِيْدَةِ[1]

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِيْ دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ

آپ ایک شب میں حرم شریف مکّہ سے حرمِ محترم مسجدِ اقصیٰ تک (باوجود یہ کہ ان میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے (ظاہر و باہر و تیز رو کمالِ نورانیت وارتفاعِ کدورت کے ساتھ) تشریف لے گئے جیسا کہ بدر تاریکی کے پردے میں نہایت درخشانی کے ساتھ جاتا ہے۔

بِتَّ تَرْقَى إِلَى أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ[2] قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ نے بحالتِ ترقی رات گزاری اور یہاں تک ترقی فرمائی کہ ایسا قربِ الٰہی حاصل کیا جس پر مقربانِ درگاہِ خداوندی سے کوئی نہیں پہنچایا گیا تھا، بلکہ اس مرتبہ کا بسبب غایتِ رفعت کسی نے قصد بھی نہیں کیا تھا۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْأَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلَى خَدَمِ

اور آپ کو مسجدِ بیت المقدس میں تمام انبیا ورسل نے اپنا امام وپیشوا بنایا، جیسا مخدوم خادموں کا امام وپیشوا ہوتا ہے۔

وَأَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِيْ مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

اور منجملہ آپ کی ترقیات کے یہ امر ہے کہ آپ سات آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے جو ایک دوسرے پر ہے ایسے لشکرِ ملائکہ میں (جو بلحاظ آپ کی عظمت وشان وتالیفِ قلبِ مبارک آپ کے ہمراہ تھا اور) جس کے سردار اور صاحبِ علم آپ ہی تھے۔

---

[1] الملقبة بالبردة. [2] لم يقصد تفسير القرآن أو قصده على بعض الأقوال.

حَتّٰـى إِذَا لَـمْ تَـدَعْ شَـأْوًا لِـمُسْتَبِقٍ
مِـنَ الـدُّنُـوِّ وَلَا مَـرْقًـا لِـمُسْتَنِـمِ

(آپ رتبۂ عالی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے اور آسمانوں کو برابر طے کرتے رہے) یہاں تک کہ جب آگے بڑھنے والے کی قرب ومنزلت کی نہایت نہ رہی اور کسی طالبِ رفعت کے واسطے کوئی موقع ترقی کا نہ رہا تو۔

خَـفَـضْـتَ كُـلَّ مَـكَـانٍ بِـالْإِضَافَةِ إِذْ
نُـوْدِيْـتَ بِـالـرَّفْـعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

جس وقت آپ کی ترقیات نہایت درجہ کو پہنچ گئیں تو اپنے ہر مقامِ انبیا کو یا ہر صاحبِ مقام کو) بنسبت اپنے مرتبہ کے جو خداوند تعالیٰ سے عنایت ہوا پست کر دیا، جب کہ آپ اُدن کہہ کر واسطے ترقیِ مرتبہ کے مثلِ یکتا اور نامور شخص کے پکارے گئے۔

كَـيْـمَـا تَـفُـوزُ بِـوَصْـلٍ أَيِّ مُـسْتَتَـرٍ
عَـنِ الـعُـيُـوْنِ وَسِـرٍّ أَيِّ مُـكْـتَتَـمِ

(یہ ندا یا محمد، کی اس لیے تھی) تاکہ آپ کو وہ وصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور تاکہ آپ کامیاب ہوں اس اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے۔ (عطر الورد)

يَـا رَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا أَبَـدًا
عَـلَـى حَبِيْبِكَ خَيْـرِ الْـخَـلْـقِ كُلِّهِمِ

ولنختم الكلام على وقعة الإسراء
بالصلاة على سيد أهل الاصطفاء
وآله وأصحابه أهل الاجتباء
ما دامت الأرض والسمآء

ضمیمہ موعودۃ خطبہ

ملقب بہ

تَبصِیر الزجاج لتنویر السّراجُ

بعد حمد وصلاۃ

احقر اشرف علی عرض رساں ہے کہ اس ضمیمہ میں تین مضمون ہیں:

ایک تفسیر بعض آیات متعلقہ معراج کی جو سورۂ والنجم میں واقع ہیں احقر کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے، جیسے آیاتِ اسراء کی تفسیر اصل رسالہ میں ہے، اور مقصود اس سے چند فوائد ہیں جو اسی سلسلے میں مذکور ہوں گے جس میں کچھ مضمون مثنوی شریف کا ہوگا جو نہایت عجیب ولطیف ہے۔

دوسرا مضمون منہجِ طریقت پر معراج کی حقیقت بطرزِ بدیع وغریب احقر کے وعظ "الوضع والرفع" سے۔

تیسرا مضمون ایک قصیدہ عربیہ بلیغہ، مشتملہ بر واقعاتِ صحیحہ معراج، مؤیدۃ بالآیات، مشیدۃ بالروایات، منظومۂ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دام فیضہ، صدرِ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند، دام فیضہا، مع ترجمۂ اردو منقولہ از ''القاسم'' اس قصیدہ کے اضافہ سے اس ضمیمہ میں اور اصل رسالہ ''تنویر'' میں اور اس اصل کی اصل یعنی ''نشر الطیب'' میں اس التزام میں بھی توافق ہوگیا کہ سب کو اشعارِ عربیہ پر ختم کیا گیا ہے۔ ہر مضمون ایک ایک فصل میں ہے۔ اور چوں کہ اس ضمیمہ سے اصل رسالہ کے مضامین کی بصیرت زائد ہوگئی جیسے زجاج، موجبِ زیادتِ تبصیر سراج ہو جاتا ہے اس لیے اس کا لقب تبصیر الزجاج[1] لتنویر السراج رکھا جاتا ہے۔

آخر ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ۔

---

[1] بالإضافة إلى الفاعل.

فصل اول

در تحقیقِ نبوت قصداً اور مباحثِ رؤیتِ جبریل علیہ السلام تبعاً

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۚ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝﴾[1]

قسم ہے (مطلق)[2] ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے (یعنی کوئی ستارہ ہو۔ اوراس

---

[1] النجم: ۱۔۱۸۔ [2] ملحقات الترجمة: قوله: في "والنجم" مطلق إشارة إلى أن المراد: الجنس.

اللغات: "هوى" سقط وغاب. قوله: "مرة" في "القاموس": قوة الخلق وشدته. "فاستوى" فاستقام على صورة نفسه الحقيقية، كذا في "المدارك". "الأفق" الطرف، وفي اصطلاح أهل الهيئة: دائرة خاصة. "فتدلى" فزاد في القرب، والتدلي هو النزول بقرب الشيء، كذا في "المدارك". قوله: "قاب قوسين" في "المدارك": مقدار قوسين في الانتصاف. قال بعضهم: إنه كناية؛ لأن الحليفين في عرف العرب إذا تحالفا على الوفاء والصفاء الصقا، وترى قوسيهما. قوله: "نزلة" مرة، كذا في "الروح".

النحو: قوله "إن هو" أي منطوقه المدلول عليه بقوله تعالى: "وما ينطق". قوله "شديد القوى" صفة لموصوف مقدر أي ملك. قوله "فكان قاب" إلخ اسم "كان" الضمير الراجع بقرينة المقام إلى البعد الذي بينهما. قوله "الكبرى" صفة للآيات المقدرة، أي لقد رآي من آيات ربه الآيات الكبرى.

البلاغة: قوله: "صاحبكم" إيراده ﷺ بهذا العنوان للإيذان بوقوفهم على تفاصيل أحواله الشريفة. "قاب قوسين" قال بعضهم: فيه قلب، أي قابي قوس واحدة. والقاب كما في "القاموس" بين المقبض والسية بالكسر مخففة ما عطف من طرفيها. (ھ ۱)

قسم میں نظیر ہے مضمون جوابِ قسم ماضل وما غوی کی، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک اس تمام تر مسافت میں اپنی با قاعدہ رفتار سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا اسی طرح آپ اپنی عمر بھر ضلال وغوایت سے محفوظ ہیں۔ اور اس سے إذا ھوی کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی، اور گو غروب سے طلوع تک بھی نجم کے لیے یہی حکم ثابت ہے، لیکن وہ مرئی نہیں اور طلوع سے غروب تک محسوس ہے۔ اور نیز اشارہ ہے اس طرف کہ جیسے نجم سے اهتداء ہوتا ہے اسی طرح آپ سے بھی بوجہ عدمِ ضلال وعدمِ غوایت کے اهتداء ہوتا ہے۔ اور چوں کہ وسطِ سما میں ہونے کے وقت سمت کا اندازہ نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس سے اهتداء نہیں ہوتا، اس لیے اس میں قید لگائی قرب من الأفق کی اور گو قرب من الأفق طلوع کے وقت بھی ہوتا ہے، لیکن غروب میں یہ بات زیادہ ہے کہ اس وقت طالبانِ اهتداء اس کو غنیمت سمجھتے ہیں، اس خیال سے کہ اگر استدلال میں ذرا توقف کیا پھر غائب ہو جاوے گا، بخلاف طلوع کے کہ اس میں بے فکری رہتی ہے۔ پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ حضور ﷺ سے ہدایت حاصل کر لینے کو غنیمت سمجھو اور شوق سے دوڑو۔ آگے جوابِ قسم ہے کہ) یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ (اور سامنے) کے رہنے والے (پیغمبر جن کے تمام احوال وافعال تم کو معلوم ہیں جن سے بشرطِ انصاف ان کی راستی پر استدلال کر سکتے ہو، یہ پیغمبر) نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستے ہو لیے (ضلال یہ کہ بالکل رستہ بھول کر کھڑا رہ جاوے اور غوایت یہ کہ غیرِ راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے (کذا في الخازن) یعنی جیسے تم ان کو دعوائے نبوت ودعوت الی الاسلام میں بے راہ سمجھتے ہو یہ بات نہیں ہے، بلکہ آپ نبیِ برحق ہیں) اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں (جیسا تم لوگ کہتے ہو کہ افتراء، بلکہ) ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے، خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں۔ پس اس سے نفی اجتہاد کی نہیں ہوتی، اور اصل مقصود مقام کا نفی ہے زعمِ کفار کی، یعنی خدا کی طرف غلط بات کی نسبت نہیں فرماتے۔ آگے وحی آنے کا واسطہ بتلاتے ہیں کہ) ان کو ایک فرشتہ (اس وحی

کی منجانب اللہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے (اور اکتساب سے طاقت ور نہیں بلکہ) پیدائشی طاقتور ہے (جیسا ایک روایت میں خود جبریل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قومِ لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لے جا کر چھوڑ دیا۔ (رواہ في تفسير سورة التكوير من الدر المنثور)

مطلب یہ کہ یہ کلام کسی شیطان کے ذریعہ سے آپ تک نہیں پہنچا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو، بلکہ فرشتہ کے ذریعہ سے آیا ہے۔ اور شاید شديد القوى کے ساتھ موصوف فرمانے میں یہ مقصود ہو کہ اس کا احتمال بھی نہ کیا جاوے کہ شاید اصل میں فرشتہ ہی لے کر چلا ہو، مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا ہو، پس اس میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ وہ نہایت شديد القوى ہیں، شیطان کی مجال نہیں کہ ان کے پاس پھٹک سکے۔ پھر ختمِ وحی کے بعد خود حق تعالیٰ نے اس کے بعینہ ادا کرا دینے کا وعدہ فرمایا ہے ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝﴾[1] آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا تو اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جب آپ ان کو پہچانتے ہوں، اور پوری صحیح پہچان موقوف ہے اصلی صورت دیکھنے پر، تو کیا آپ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دیکھا ہے؟ اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہاں! یہ بھی ہوا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا، گویا دوسری صورت بھی ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جو مشخصات اصلیہ تھے اور جو عارضہ تھے علمِ ضروری سے ان میں آپ کو تمایز عنایت فرما دیا، جس پر یہ دلیلِ عقلی دال ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلّفین کو تلبیس سے محفوظ رکھتا ہے اور اس تمایز نہ ہونے پر یہ تلبیس جماہیر امت کی مرتب ہوتی، اس لیے تمایز عطا فرما دیا، گو صورت اصلی نہ تھی) پھر (ایک بار ایسا بھی ہوا کہ) وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر (آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا (ایک روایت میں افقِ شرقی سے تفسیر آئی ہے۔ (كما في الدر المنثور) اور افق میں دکھلائی دینے کی غالباً یہ حکمت ہے کہ وسطِ سما میں دیکھنا خالی از مشقت و تکلّف نہیں، اور اعلیٰ

[1] قیامہ: ۱۷۔

میں غالباً یہ حکمت ہے کہ بالکل افق پر بھی پوری چیز نظر نہیں آتی، اس لیے ذرا اونچے پر نظر آئے۔ اور اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، انھوں نے حرا کے پاس اور حسبِ روایتِ ترمذی جیاد میں وعدہ ٹھہرایا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو ان کو افقِ مشرقی میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ افقِ غربی تک گھیر رکھا ہے، آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اس وقت جبریل علیہ السلام بصورتِ بشریہ ہو کر آپ کے پاس تسکین کے لیے اتر آئے جس کا آگے ذکر ہے۔ (كذا في الجلالين)

حاصل یہ کہ وہ فرشتہ اول صورتِ اصلیہ میں افقِ اعلیٰ پر نمودار ہوا) پھر (جب آپ بے ہوش ہو گئے تو) وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا، سو (قرب کی وجہ سے کہ مدلول دنیٰ کا ہے) دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا، بلکہ (غایتِ قرب کی وجہ سے کہ مدلول تدلّی کا ہے) اور بھی کم (فاصلہ رہ گیا، مطلب دو کمانوں کا یہ ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم غایت درجہ کا اتفاق واتحاد کرنا چاہتے تھے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے چلے یعنی تانت کو باہم ملاصق کر دیتے اور ملاصقت میں بھی بعض اجزا کے اعتبار سے کچھ فصل ضرور ہی رہتا ہے، پس اس محاورہ کی وجہ سے یہ کنایہ ہو گیا قرب واتحاد سے، اور چوں کہ یہ محض اتفاقِ صوری کی علامت تھی تو اگر روحانی وقلبی اتفاق بھی ہو تو وہاں أو أدنى بھی صادق آسکتا ہے، پس أو أدنى کے بڑھا دینے میں اشارہ ہو گیا کہ مجاورتِ صوریہ کے علاوہ آپ میں اور جبریل علیہ السلام میں روحانی مناسبت بھی تھی جو مدارِ اعظم ہے معرفتِ تامہ اور حفظِ صورتِ مدرکہ اور تمایز بين المشخصات الأصلية والعارضية کا، غرض یہ کہ اُن کی تسکین سے آپ کو تسکین ہوئی اور افاقہ ہوا) پھر (افاقہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے (اس فرشتہ کے ذریعے سے) اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی (جس کی تعیین بالتخصیص معلوم نہیں اور نہ معلوم ہونے کی حاجت، اور کیا عجب ہے کہ معرفتِ جبریلیہ کے متعلق کچھ وحی ہو، یا اور کچھ ہو اور شاید اس وقت بھی وحی نازل فرمانا باوجود یہ کہ اصل مقصود اس وقت زیادہ معرفت

کے لیے صورتِ اصلیہ جبریلیہ کا دکھانا ہے، اس لیے ہو کہ یہ معرفت میں اور زیادہ معین ہو، کیوں کہ جب حضور ﷺ اس وقت کی وحی کو جو بوجہ ظہورِ صورتِ اصلیہ کے بالقطع بتوسط جبریل علیہ السلام ہے اور دوسرے اوقات کی وحی کو جو بواسطۂ صورتِ بشریہ ہے ایک شان پر دیکھیں گے تو مزید علی مزید یقین میں قوت ہوگی کہ دونوں حالتوں میں واسطۂ وحی حقیقتِ واحدہ ہے، جیسا کہ کسی شخص کے نغمہ اور طرزِ کلام سے خوب آگاہ ہوں تو اگر کبھی وہ بتبدل صورت بھی بولتا ہے تو صاف پہچانا جاتا ہے۔

آگے اس دیکھنے کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے، وہ شبہ یہ ہے کہ رؤیتِ صورتِ اصلیہ جو مدار ہے معرفتِ تامہ کا اور جس کا اوپر اثبات کیا گیا ہے وہ مطلق رؤیت نہیں، بلکہ رؤیتِ صحیحہ ہے اور اس کا مدار ہے اصل مدرِکہ یعنی قلب کے خطائی الادراک سے محفوظ ہونے پر، ورنہ اگر اسی کے ادراک میں خطا ہے تو حواس جو کہ جواسیسِ قلب ہیں ان میں بھی خطا ہوگی، چناں چہ اسی بنا پر احساسات میں غلطی ہونا مشاہدہ کیا جاتا ہے، مجنون باوجود سلامتِ حس کے بعض اوقات پہنچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے۔ پس آیا یہ رؤیت رؤیت صحیحہ تھی یا نہیں؟ آگے اس شبہ کا جواب ہے، یعنی وہ رؤیتِ صحیحہ تھی کہ اس دیکھنے کے وقت) قلب نے دیکھی ہوئی چیز[1] میں غلطی نہیں کی (رہا یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے غلطی نہیں کی؟ سو بات یہ ہے کہ اگر مطلقاً ایسے احتمالات قابلِ التفات ہوا کریں تو حس سے بالکل امان ہی مرتفع ہو جاوے وھو باطل، بلکہ ان احتمالات کے لیے کوئی منشا معتدبہ ہونا ضرور ہے، چناں چہ احتمال خطائے قلبی کا منشا یہ ہونا چاہیے کہ وہ ادراک کرنے والا مختل العقل ہو اور حضور ﷺ کا صحیح العقل فطین ذکی صاحبِ فراست ہونا مشاہد اور ظاہر تھا، چوں کہ باوجود اس اثباتِ بلیغ کے پھر بھی معاندین جدال وخلاف سے باز نہ آتے تھے، اس لیے آگے بطورِ توبیخ وتعجیب کے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایسے شافی کافی بیان سے معرفت ورؤیت کا ثبوت سن لیا) تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی (بھالی) ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو (یعنی مدرکات میں أسلم عن

---

[1] قوله: "في ما كذب الفواد ما رأى" چیز میں لما في "الخازن" فيما رأى.

الــخــطــأ حسیات ہیں تو غضب کی بات ہے کہ حسیات میں اختلاف کرتے ہو کہ جن میں احتمالاتِ خطا بھی مرتفع ہو گئے، پھر یوں تو تمہارے حسیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں) اور (اگر یہ مہمل خدشہ ہو کہ جس چیز کو ایک ہی بار دیکھا ہو تو اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ مکرر دیکھنے میں جب ہر بار ایک ہی سی چیز دیکھی جاوے اس وقت شناخت ہو سکتی ہے کہ یہ وہی چیز ہے جو پہلی بار دیکھی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات غلط ہے، کیوں کہ بعض اوقات کسی چیز کا ایسا پورا پتا معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہی فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔

دوسرے اول بار میں بایں معنی پہچاننا ضروری نہیں کہ کسی کے اعلام یا کسی امارات واعلام کی احتیاج نہ ہو، جیسا دوسری تیسری بار میں ہوتا ہے، بلکہ بایں معنی معرفت حاصل ہو جاتی ہے کہ کسی صادق کے بتلانے سے یا قرائن وعلامات کے مجتمع ہونے سے اس کا علم ہو جائے اور پھر اس کی صورت ذہن میں محفوظ ومخزون رہے کہ بارِ دیگر محض انطباقِ صورت سے پہچان لیں، پس ممکن ہے کہ آپ کو علمِ ضروری یا استدلالی کے طور پر جس کے مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے، یا اس وجہ سے کہ کئی بار آپ کو معائنہ صورتِ غیر اصلیہ کا ہو چکا تھا اور مشخصاتِ اصلیہ کا آپ کے ذہن نے اخذ کر لیا تھا۔ غرض کسی طرح سے جبریل علیہ السلام کا پورا پتا معلوم ہوا اور اس سے پہچان ہو گئی ہو، یا اس وقت اعلامِ الٰہی سے آپ کو یقین ہو گیا ہو، پس دو وجہ سے یہ خدشہ باطل ہے۔

تیسرے علی سبیل التنزل اگر شناخت کے لیے تکرارِ مشاہدہ ہی کی ضرورت ہے تو) انھوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورتِ اصلیہ میں) دیکھا ہے (پس اب تو وہ توہم بھی مدفوع ہو گیا، تطابقِ صورتین سے پوری تعیین ہو گئی کہ ہاں! جبریل یہی ہیں۔ آگے اس دیکھنے کی جگہ بتلاتے ہیں کہ کہاں دیکھا؟ یعنی شبِ معراج میں دیکھا ہے) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (سدرہ کہتے ہیں بیری کے درخت کو اور منتہیٰ کے معنی ہیں انتہا کی جگہ۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے بیری کا، ساتویں آسمان میں عالمِ بالا سے جو احکام وارزاق وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے

ہیں۔ اسی طرح سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ دنیا میں اس کی مثال ڈاک خانہ کی سی سمجھیے کہ آمد و برآمد خطوط کی وہاں سے ہوتی ہے اور شاید اس تقیید میں اشارہ ہو تقویتِ اصالتِ صورتِ مرئیہ کی طرف، کیوں کہ فرشتوں کا اصل مسکن آسمان ہے اور عادت متعارفہ ہے کہ مسکن سے دور ہو کر تو کبھی اصلی صورت تبدیلِ وضع وغیرہ سے کسی قدر بدل بھی جاتی ہے، لیکن اپنے اصل مسکن میں بالکل اصلی ہیئت پر استقرار ہوتا ہے، پس اصالتِ صورت کی زیادہ تقویت ہوگئی اور عند سدرۃ المنتھیٰ میں تو مکانِ رؤیت بتلایا گیا تھا، آگے اس مکان کا شرف بتلاتے ہیں کہ) اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے قریب جنّت الماویٰ ہے (ماویٰ کے معنی رہنے کی جگہ ہے، چوں کہ جنّت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے، اس لیے جنّت الماویٰ کہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ایسے ممتاز موقع پر ہے، اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایسے بلند مقام پر پہنچنا دلیل ہے آپ کے معزز ومکرم ہونے پر، اور قاعدہ ہے کہ ایسے مہمانِ عزیز سے سامانِ اکرام کا اخفا نہیں کیا جاتا اور جبریل علیہ السلام کی معیّت آپ کے ساتھ اکرام کے لیے تھی، پس ان کی صورتِ اصلیہ میں احتجاب کا اصلا احتمال نہیں، پس اس سے بھی تاکید ہوگئی مرئی کے انکشاف وانجلائے تام کی طرف جس سے رؤیت کا تعلق زیادہ تام ہوگا۔ اب بعد تعیینِ مکانِ رؤیت کے رؤیت کا زمانہ بتلاتے ہیں کہ رؤیت کب ہوئی؟ پس فرماتے ہیں) کہ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (ایک روایت میں ہے کہ سونے کے پروانے تھے، یعنی صورت ایسی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، یعنی حقیقت ان کی یہ تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور ﷺ کی زیارت کریں، ان کو اجازت ہوگئی، وہ اس سدرہ پر جمع ہوگئے تھے۔ (الروايات كلها في الدر المنثور) اس میں بھی اشارہ ہوسکتا ہے حضور ﷺ کے معزز ومکرم ہونے کی طرف اور باقی وہی تقریر ہے جو تقیید سابق میں بیان کی گئی۔

اب ایک احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے،

پورے ادراک پر قدرت نہیں رہتی، پس ایسی حالت میں جبریل علیہ السلام کی صورت کا کیا ادراک ہوا ہوگا؟ جب یہ ادراکِ ثانی معتبر نہ ہوا تو پھر اس خدشۂ مذکورہ کا جو جواب ﴿لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝﴾ سے دیا گیا ہے وہ کافی نہ ہوا۔ اس احتمال کے دفع کے لیے فرماتے ہیں کہ آپ ان عجائب کو دیکھ کر ذرا نہیں چکرائے اور اصلا متحیر نہیں ہوئے، چناں چہ جن چیزوں کی رؤیت کا حکم تھا ان کی طرف نظر کرنے سے آپ کی) نگاہ نہ تو ہٹی (بلکہ ان چیزوں کو خوب دیکھا) اور (جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم جب تک نہ ہوا) نہ (ان کی طرف دیکھنے کو آپ کی نگاہ) بڑھی (یعنی قبلِ اذن نہیں دیکھا۔ (كذا في المدارك في الفرق بين زاغ وطغى) یہ دلیل ہے آپ کے غایتِ استقلال کی، کیوں کہ عجیب چیزوں سے حیرت میں آکر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے: جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کے لیے نہیں کہا گیا ان کو تکتا ہے، غرض اس میں انضباط نہیں ہوتا۔ آگے آپ کے استقلال کی قوت بیان کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ) انھوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (مگر ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ ۔ وہ عجائبات احادیثِ معراج میں آئے ہیں: انبیا علیہم السلام کو دیکھنا، ارواح کو دیکھنا، جنّت وغیرہ کو دیکھنا، پس ثابت ہوا کہ آپ میں غایتِ استقلال ہے، پس حیرت کا احتمال نہیں، پس خدشہ کا جو جواب ﴿لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝﴾ میں مذکور تھا وہ سالم رہا۔

غرض تمام تر تقریر سے رؤیت ومعرفتِ جبریلیہ کے متعلق شبہات مندفع ہوکر امرِ رسالت مقرر ومحقّق ہوگیا جو کہ مقصودِ مقام تھا۔ رہا یہ کہ یہ سب اُس وقت کافی ہے کہ جب کوئی شخص دعوائے رؤیت کو مان لے، پس اس کی کیا دلیل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق ہیں، جن میں اعظم قرآن ہے، جن سے آپ کا صدق متیقن ہے، ورنہ ایسا خدشہ تو ہر مدعیِ رؤیت شيء من الأشياء پر ہوسکتا ہے۔ رہا یہ کہ جب جبریل علیہ السلام غیر اصلی صورت میں آتے تھے اس وقت کیسے پہچان لیتے تھے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو قبل رؤیتِ

صورتِ اصلیہ کے بھی آپ کو خاص طریقہ سے اس کی معرفت حاصل تھی، جس کی تقریر فاستوىٰ کی تفسیر سے پہلے گزر چکی ہے، اور بعد صورتِ اصلیہ دیکھنے کے تو اور زیادہ معرفت ہوگئی۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ فرشتے کا صورت بدل لینا ایسا ہے جیسا انسان لباس بدل لیتا ہے، تو جو شخص حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے تبدلِ لباس اس کے لیے مانعِ ادراک و معرفت نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ جب اول بار آپ بے ہوش ہوگئے تھے تو اس وقت تو حیرت ہوگئی اور جس شبہ کے جواب میں ماز اغ فرمایا ہے وہ شبہ اس رؤیتِ اولی میں ہو جاوے گا۔ جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت مانعِ ادراک نہیں، بلکہ جو مغلوبیت قبلِ ادراک ہو وہ مانع ہے، اور جو مغلوبیت بعد الادراک ہو وہ مانع نہیں، چناں چہ کوئی قوی البصر آفتاب پر خوب نظر جما کر دیر تک دیکھے تو گو اخیر میں اس کی آنکھیں کام نہ دیں گی، لیکن اس کام نہ دینے سے پہلے وہ اس کے قرص اور اَشِعّہ کا خوب ادراک کر چکا ہے، پس ممکن ہے کہ آپ کی بے ہوشی ادراک سے زماناً متاخر ہو پس ادارک کا وقوع ہو جائے گا بخلاف تجلّی ربانی سے موسیٰ علیہ السلام کا بیہوش ہو جانا کہ وہاں غشی موسوی تجلّی ربای سے صرف ذاتاً متاخر تھی اور زماناً دونوں مقترن تھے، پس ادراک تجلّی کا لازم نہیں آتا۔ یہ شبہ تجلّیِ موسوی کا ایک فاضل نے کلمہ لما کی وجہ سے مجھ پر کیا تھا کہ وہ موضوع ہے ترتب کے لیے کہ مستلزم ہے تأخر کو، اور یہ تفاوت بے ہوشی و ہوش کا بوجہ اس کے ہے کہ بشر ناسوت میں تحمّل کم رکھتا ہے اور ملکوت میں زیادہ۔

فائدہ: اور ان آیات کی تفسیر بعض مفسرین نے رؤیتِ الٰہیہ کے ساتھ کی ہے، مگر مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رؤیتِ جبریلیہ کے ساتھ تفسیر ان آیات کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، وإذا جاء نهر الله بطل نهر معقل۔ اور حدیثِ شریک مروی بخاری سے جو شبہ پڑتا ہے کہ یہ آیات محمول ہوں قرب وتدلی حق تعالیٰ پر، سو نووی نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہے۔ انتهى التفسير.

بعض الفوائد متعلقة برؤية جبريل علیہ السلام المذكورة في الآيات

فائدہ اولیٰ: جبریل علیہ السلام جو کہ واسطہ فی الوحی ہیں ان کی معرفت اور رؤیت میں جو شبہات ہو سکتے تھے جن کا اثر ثبوت وصحتِ وحی پر واقع ہوتا اس کا اندفاع بابلغ وجوہ ان آیات میں فرما دیا گیا، جیسے کہ تقریرِ تفسیر سے واضح ہو چکا۔

فائدہ ثانیہ: آیت فَاسْتَوٰی کی تفسیر سے اور اس تفسیر کے ذیل میں جو حدیث مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رؤیتِ جبریل سے بے ہوش ہو گئے تھے، اس پر تین سوال ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ آپ اکمل ہو کر کامل سے کیسے متاثر ہو گئے؟ دوسرے یہ کہ جب سدرۃ المنتہٰی کے قریب ان کو دیکھا اس وقت بے ہوش کیوں نہیں ہوئے جیسے ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ سے معلوم ہوتا ہے؟ تیسرے جب آپ رؤیتِ جبریلیہ کی تاب نہ لا سکے تو تجلّیِ حق کے کیسے متحمّل ہوئے ہوں گے؟ ان سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ رؤیتِ جبریلیہ اولیٰ عالمِ ناسوت میں ہوئی تھی، اور اس عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار جسد کے آثار روح پر غالب ہیں، چناں چہ آپ کو بھوک لگتی تھی، پیاس لگتی تھی، آپ بیمار ہوتے تھے اور جسد انوارِ ملکوتیہ کا تحمّل نہیں کر سکتا اور رؤیتِ جبریلیہ ثانیہ اور رؤیتِ حق تعالیٰ اس عالم میں واقع ہوئی اور اس عالم میں آپ پر آثار روح کے غالب ہیں اور ان آثار میں آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے بھی اکمل ہیں، اس لیے آپ ان انوار کے متحمّل ہو گئے کہ جبریل علیہ السلام بھی متحمّل نہ ہو سکتے تھے (یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اپنے خاص مقام سے آگے بڑھنے سے عذر فرمایا کہ اگر آگے بڑھوں تو جل جاؤں، جیسا اصل رسالہ کے واقعہ بستم میں مذکور ہوا) حتی کہ تجلّیِ حق کے بھی متحمّل ہو گئے تو رؤیتِ جبریلیہ کا تحمّل تو کیا مشکل تھا! مولانا رومی نے ''مثنوی'' اخیر دفترِ چہارم میں اس مضمون کو خوب ادا فرمایا ہے، جس کو مع کلید ''مثنوی'' کے بقدرِ ضرورت نقل کرتا ہوں:

مصطفیٰ می گفت پیشِ جبریل
کہ چناں چہ صورتِ تست اے جلیل

مَر مَرا بنماي محسوس آشکار
تا بہ بینم من ترا نظارہ وار
گفت نتوانی وطاقت نبودت
حس ضعیف ست وتنگِ سخت آیدت
گفت بنما تا بہ بیند ایں جسد
تاچہ حد حس نازکست وبے مدد
چوں کہ کرد الحاح بنمود اندکے
ہیبتے کہ کہ شود زان مندکے
شہپرے بگرفتہ شرق وغرب را
از مہابت گشتہ بیہش مصطفیٰ
چوں زبیم وترس بے ہوشش بدید
جبریل آمد در آغوشش کشید
اندر احمد آں حسے کہ غارب ست
خفتہ ایں دم زیر خاکِ یثرب ست
واں عظیم الخلق او کو صفدر ست
بے تغیّر مقعدِ صدق اندر ست
قابلِ تغییر اوصافِ تن ست
روح باقی آفتابِ روشن ست
اوست بے تغییر لا شرقیۃ
بے زتبدیلی کہ لا غربیۃ
آفتاب از ذرہ کے مدہوش شد
شمع از پروانہ کے بیہوش شد

جسم احمد را تعلق بُد بداں
آن تغیّر آمتن باشد بداں
ہمچو رنجوری وہمچون خواب ودرد
جاں ازیں اوصاف باشد پاک وفرد
چوں نتانم در بگویم وصف جاں
زلزلہ افتد دریں کون ومکاں
نقشِ احمد زاں نظر بے ہوش گشت
بحر او از مہر کف پر جوش گشت
مہ ہمہ کف ست معطی نور پاش
ماہ را گر کف نباشد گو مباش
احمد ار بکشاید آں پر جلیل
تا ابد مدہوش ماند جبرئیل
چون گزشت احمد زسدرہ ومرصدش
وزمقام جبرئیل واز حدش
گفت اوراہین بپر اندر پیم
گفت رو رو کہ حریف تو نیم
باز گفتا پیم آی ومایست
گفت رو زیں پس مرا دستور نیست
باز گفت او را بیا اے پردہ سوز
من باوج خود نرفتم ہنوز
گفت بیروں زیں حد اے خوش فر من
گر زنم پرے بسوزد پر من

یعنی ایک روز جنابِ رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسی آپ کی اصلی صورت ہے ایک مرتبہ ہم کو اسی طرح دکھلا دو، تا کہ ہم اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہ سن کر جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ سے ہو نہ سکے گا اور اس کے دیکھنے کے متحمّل نہ ہوں گے اور چوں کہ حسِ جسمانی کمزور اور نازک ہے، اس لیے آپ پر اس کا دیکھنا شاق ہوگا۔ آپ نے فرمایا: خیر دکھلاؤ تو سہی! جسم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کی حس کس کس قدر کمزور اور ضعیف ہے! جب کہ آں حضرت ﷺ نے اصرار فرمایا تو انھوں نے اپنی وہ ہیئت جس سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاوے کسی قدر دکھلا دی، یعنی ان کے پر مشرق و مغرب کو گھیرے ہوئے تھے۔ اس صورت کو دیکھ کر مارے خوف کے جنابِ رسول اللہ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔

پس جب کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے خوف زدہ اور بے ہوش ہونے کو دیکھا تو انھوں نے اپنی صورت فوراً بدل دی اور آ کر آپ کو گود میں لے لیا۔ (آدمی کے اندر حس جسمانی ہے جو کہ کمزور ہے اور دوسری ایک عالی شان مخلوق ہے سو) جنابِ رسول اللہ ﷺ کے اندر (بھی یہ دونوں باتیں تھیں، چناں چہ) وہ حس جسمانی جو مشاہدہ صورتِ جبریل کی تاب نہ لا سکی اور از خود رفتہ ہوگئی، وہ تو اس وقت مدینہ میں زیرِ زمین سو رہی ہے اور وہ عظیم الشان مخلوق جو کہ نہایت بہادر ہے اور ایسی مہیب شکلوں سے متاثر نہیں ہوتی، وہ بلا تغیّر کے مقعدِ صدق میں مقیم ہے (بے تغیّر ہم نے اس لیے کہا کہ) ایسے تغیّرات یعنی تغیّراتِ ناسوتیہ کو قبول کرنے والے اوصاف جسمانیہ ہوتے ہیں، نہ کہ روح جو کہ ایک روشن آفتاب اور ظلمات ناسوت سے منزہ ہے، وہ بے تغیّر و تبدل ہے، اس لیے کہ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی، کیوں کہ شرق و غرب عالمِ خلق سے ہیں اور ارواح عالمِ امر سے اور جب کہ روحِ احمدی آفتاب ہے تو شکلِ جبریلی جو کہ اس کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہے اس سے کیوں کر بے ہوش ہو سکتی ہے؟ اور جب کہ وہ ایک شمع ہے تو پروانہ سے کیوں کر بے ہوش ہو سکتی ہے؟ اس لیے کہا جاوے گا: جسمِ احمد ﷺ کو اس بے ہوشی سے تعلّق تھا نہ کہ روح کو، کیوں کہ تغیّر ناسوتی جسم ہی کا حصّہ ہے روح سے اُسے کوئی واسطہ نہیں، جیسے کہ بیماری نیند و تکلیف وغیرہ کہ یہ سب جسم سے متعلق ہیں، روح ان اوصاف

سے پاک صاف اور علیحدہ ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں روح کے اوصاف بیان نہیں کرسکتا اور اگر اس کے اوصافِ عالیہ بیان کروں تو عالم میں ہل چل پڑ جائے، اس لیے کہ کوئی ان اوصاف کے سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ تو جسمِ احمد ﷺ اس نظر سے بے ہوش ہوا تھا نہ کہ روح۔ اور وجہ اس بے ہوشی کی یہ تھی کہ ان کا بحرِ روحِ محبّت دستِ حق سبحانہ سے پر جوش ہوکر تصرف فی الجسم سے غافل ہوگیا تھا۔ (اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت حق کے ہاتھ کہاں ہیں جس کی محبّت سے وہ بحر پر جوش ہوا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ) چاند سراپا ہاتھ ہے، اس لیے کہ جو کام وہ ہاتھ سے کرتا، مثلاً دینا اور نور پھیلانا سو وہ اپنی ذات سے کرتا ہے، پس ایسی حالت میں اگر اس کے متعارف ہاتھ نہ ہو تو نہ سہی، پس اسی طرح کفِ حق سبحانہ کو سمجھ لو۔ (اس مضمون کو ختم کر کے آگے وہمِ تفضیلِ جبریل علیہ السلام برآں حضرت ﷺ کو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا صورتِ جبریل کو دیکھ کر بے ہوش ہوجانے کو دیکھ کر تم کو جبریل علیہ السلام کی آں حضرت پر فضیلت کا شبہ نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ آپ تو ان کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر بے ہوش رہے تھے اور وہ بے ہوشی بھی جسمانی تھی نہ کہ روحانی، لیکن) اگر جنابِ رسول اللہ ﷺ اپنے روحانی عظیم الشان پروں کو کھول دیں (اور اپنے قوی عروجِ روحانی کو ظاہر فرمائیں) تو جبریل علیہ السلام ابدتک بے ہوش رہیں اور کبھی ہوش نہ آئے (آپ کے پروں کی فوقیت جبریل علیہ السلام کے پروں پر اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ) جب آپ آں حضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام کے مقام اور ان کی حد سے تجاوز کیا (تو جبریل علیہ السلام اپنے مقام پر ٹھہر گئے، اس پر) آپ نے فرمایا کہ (جبریل کیوں ٹھہر گئے؟) میرے پیچھے پیچھے آؤ، اس پر انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لے جائیں مجھے آگے اجازت نہیں ہے، آپ نے پھر فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آؤ، اس کا بھی انھوں نے یہی جواب دیا کہ اب میں آپ کا ہم سفر نہیں ہوسکتا، آپ نے پھر فرمایا کہ میں ابھی اپنی اصلی بلندی پر نہیں پہنچا ہوں، چلے آؤ، اس پر انھوں نے عرض کیا کہ اگر میں اس حد سے آگے پروں کو حرکت دیتا ہوں تو فوراً میرے پر جل

جاویں گے۔ (بس اس سے تم سمجھ لو کہ دونوں کے پروں میں کیا نسبت ہے) انتهى المثنوي وشرحه الحبيبي.

یہی مضمون اجمال کے ساتھ دفترِ اول قبل سرخی زیافت تاویل رکیک میں لائے ہیں بقوله:

چوں معلم بود عقلش زابتدا
بعد ازاں شد عقل شاگردے ورا
عقل چوں جبریل گوید احمدا
گر یکے گامے زنم سوزد مرا
تو مرا بگذار ازیں پس پیش راں
حد من ایں بود اے سلطانِ جاں

رسالہ تخریجِ احادیث دفتر اول میں "خصائص کبری" سے یہ حدیث ان اشعار کے ذیل میں مذکور ہے: في الخصائص الكبرى في حديث طويل في حديث المعراج برواية ابن أبي حاتم: ثم انطلق بي، حتى انتهى إلى الشجرة، فغشيتني سحابة، فيها من كل لون، فرفضني جبريل، وخررت ساجدا لله تعالى. الحديث. اور اس واقعہ کے تتمہ کا جس میں خوفِ احتراق آیا ہے پتا اشعارِ مثنوی کے قبل مذکور ہے۔

فصل دوم

در تحقیق سرِّ معراج بر منہاجِ حقیقت وطریقت

از وعظ ''الرفع والوضع'' کہ اس حقیقت سے بھی اصل مقصود طریقت ہے، یعنی اس حقیقت کی تحقیق سے متبع کو کیا سبق لینا چاہیے، جیسے کمالات وصفاتِ حق سے تخلق کا مضمون بزرگوں نے لکھا ہے، اس میں کمالِ معراجی سے تخلق ہے جس میں عمل ہے اطلاقِ آیت ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1] پر۔

وھذا تقریرہ

مقصود یہ ہے کہ حضور کی معراج سے کیا سبق ہم کو حاصل کرنا چاہیے تو سمجھیے کہ معراج کی حقیقت کیا ہے؟ لوگ معراج اس کو سمجھتے ہیں کہ حضور زمین سے آسمان پر تشریف لے گئے، تو خوب سمجھ لیجیے کہ یہ عروجِ آسمانی حقیقتِ معراج نہیں، بلکہ صورتِ معراج ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ صورت آپ کے کمالات میں سے نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ معراج اسی صورت پر موقوف نہیں، بلکہ اس کا تحقق دوسری صورتوں سے بھی ہوسکتا تھا، گو جو صورت حضور ﷺ کے لیے متحقق ہوئی ہے وہ سب سے افضل واکمل ہے اور آپ معراج کی حقیقت وصورت دونوں کے جامع ہیں۔ اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو حضور ﷺ کے عروجِ صوری یعنی عروجِ آسمانی کا انکار کرتے ہیں اور اس معراج کو منامی یا کشفی بتلاتے ہیں، سو یہ بالکل نصوص کے خلاف ہے، بلکہ احادیثِ مشہورہ سے آپ کا آسمانوں پر تشریف لے جانا ثابت ہے۔ اور بیت المقدس تک تشریف لے جانا تو نصِ قرآنی سے ثابت ہے جس کا انکار بلا تاویل کفر ہے اور بتاویل، بدعت۔

ان منکرینِ معراجِ آسمانی کے پاس کچھ دلائل تو عقلی ہیں، کچھ نقلی۔ عقلی دلائل تو یہ ہیں

---

[1] احزاب: ۲۱۔

کہ اس سے افلاک میں خرق والتیام لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کے پاس خرق والتیام کے امتناع پر کوئی دلیل نہیں اور جب وہ دلائل پیش کریں گے اس وقت ان شاء اللہ ہم ان سب کا لغوو باطل ہونا ظاہر کردیں گے، چناں چہ متکلمین اس سے فارغ ہوچکے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح حضور کی معراج کا قصّہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ اتنے جلدی سیرِ سماوات سے فارغ ہوکر واپس آگئے کہ صبح بھی نہ ہونے پائی تھی، یہ محالات سے ہے کہ مکّہ سے بیت المقدّس تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک آپ سیر کر آئیں اور یہ سارا قصّہ ایک رات کے تھوڑے سے حصّہ میں ہوجائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس میں استحالہ کی کیا بات ہے؟ ہاں! استبعاد ہوسکتا ہے، سووہ بھی بطورِ الزام کے اس طرح مدفوع ہے کہ تمہارے نزدیک زمانہ حرکتِ فلک الافلاک کا نام ہے، چناں چہ رات اور دن کا آنا، طلوع وغروب کا ہونا یہ سب حرکتِ فلک سے مرتبط ہے، اگر حرکتِ فلک موقوف ہوجائے تو جو وقت موجود ہوگا وہی رہے گا، اگر رات موجود ہوگی رات ہی رہے گی، دن موجود ہوگا دن ہی رہے گا، تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے اس رات حرکتِ فلک کو تھوڑی دیر کے لیے موقوف کردیا ہو اور اس میں کچھ تعجب نہیں، معزز مہمان کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے دنیا میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے تو سڑک پر دوسروں کا چلنا بند کردیا جاتا ہے۔

ہم جب حیدرآباد گئے تو ایک دن دیکھا کہ پولیس کے سپاہی لوگوں کو سڑک پر چلنے سے روک رہے ہیں، اس وقت سڑک پر سناٹا چھایا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ نواب صاحب کی سواری نکلنے والی ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے حضور کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اگر آسمان اور چاند سورج سب کی حرکت کو اس رات کچھ دیر کے لیے بند کردیا ہو کہ جو چیز جہاں ہے وہیں رہے، پس آفتاب جس جگہ تھا اسی جگہ رہا اور ستارے جہاں تھے وہیں رہے، کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلنے نہ پایا، اس میں کیا استبعاد ہے؟! جب حضور معراج سے فارغ ہوگئے، پھر فلک کو حرکت کی اجازت ہوگئی تو اب ظاہر ہے کہ حرکتِ فلک جس جگہ سے موقوف ہوئی تھی وہیں سے شروع ہوگئی تو آپ کی سیر میں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو، مگر دنیا والوں کے اعتبار سے سارا قصّہ ایک

ہی رات میں ہوا، کیوں کہ حرکتِ زمانہ اس وقت موقوف ہو چکی تھی۔ اب اگر کوئی دوامِ حرکتِ فلک کا دعویٰ کرے تو وہ اس کے لزوم کو ثابت کرے، ان شاء اللہ ایک دلیل بھی قائم نہ کر سکے گا۔

دوسرا عاشقانہ جواب اس اشکال کا مولانا نظامی نے دیا ہے:

تن او کہ صافی تراز جان ماست
اگر آمد وشد بیک دم رواست

یعنی یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خیالِ انسانی ذرا سی دیر میں بہت دور پہنچ جاتا ہے، چناں چہ آپ اس وقت عرش کا تصور کیجیے تو ایک منٹ سے بھی کم میں عرش پر خیال پہنچ جائے گا۔ خیال کی حرکت بہت سریع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خیال روح کی ایک قوت ہے اور روح نہایت لطیف چیز ہے، وہ مادیات کی طرح کثیف نہیں، اس لیے اس کی سیر میں کوئی حاجب ومانع نہیں ہوتا، تو مولانا نظامی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا بدن مبارک تو ہمارے خیال سے بھی پاکیزہ تر ہے۔ جب خیال ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے تو آپ کا جسمِ اطہر زمین سے آسمان تک اور وہاں سے عرش تک ذرا سی دیر میں ہو آئے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟

ایک دلیلِ عقلی فلاسفہ جدید پیش کیا کرتے ہیں کہ ہوا کے طبقہ سے اوپر جو خلا وفضا ہے اس میں ہوا نہ ہونے کے سبب کوئی متنفّس زندہ نہیں رہ سکتا، تو آپ اس میں سے اگر گزرتے، زندہ کیسے رہتے؟ مگر انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ بعدِ تسلیم اس استلزام کے یہ اس وقت ہے جب متنفّس کو اس میں کچھ مکث بھی ہو، چناں چہ آگ کے اندر سے اگر جلدی جلدی ہاتھ کو نکالا جائے تو آگ کا اثر نہیں ہوتا، پس آپ اگر نہایت سرعت کے ساتھ اس خلا میں سے گزر جائیں تو وہ عدمِ تنفّس میں مؤثر نہ ہوگا۔

اور دلیلِ نقلی ان منکرین کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: واللہ! ما فقد جسد محمد ﷺ في ليلة الإسراء کہ بخدا! شبِ معراج میں حضور ﷺ کا جسم مفقود یعنی غائب نہیں ہوا۔ اس کا جواب بعض بزرگوں نے تو یہ دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اس وقت حضور ﷺ کے گھر میں کہاں تھیں (نیز اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی، شاید چار پانچ سال کی ہوں اور اگر معراج سنہ ۵ نبوت میں ہوئی ہو جیسا کہ زہری کا قول ہے تو وہ اسی سال پیدا ہوئی ہوں گی۔ جامع) (اس لیے اجلۂ صحابہ کی روایت اس واقعہ میں ان کی روایت سے مقدم ہے، مگر اس کا حاصل بظاہر یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بے تحقیق ایک بات فرما دی، ہم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ گمان نہیں کر سکتے، نہ کسی صاحبِ ادب کو ایسی جرأت ہو سکتی ہے، یہ مانا کہ وہ اس وقت حضور کے گھر میں موجود نہ تھیں اور کمسن بھی تھیں، مگر جو بات وہ فرما رہی ہیں وہ تو عقل وبلوغ کے زمانے میں ان سے صادر ہوئی ہے اور ایسے وقت میں وہ بدونِ تحقیق کے کوئی بات نہیں فرما سکتیں، یقیناً تحقیق کے بعد فرما رہی ہیں، ہاں! یہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے واقعہ کی نسبت فرماتی ہوں، کیوں کہ معراج میں تعدد ہے تو پھر کچھ بھی مضر نہیں۔ میرے ذہن میں اس کا جو جواب آیا ہے، وہ بہت لطیف ہے، وہ یہ کہ فقدان کے دو معنی ہیں: ایک تو چیز کا اپنی جگہ سے گم ہو جانا، ہٹ جانا، دوسرے تلاش کرنا، چناں چہ دوسرے معنی میں فقدان کا استعمال نص میں بھی آیا ہے: ﴿قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ﴾[1] یعنی برادرانِ یوسف علیہ السلام نے متوجہ ہو کر ندا کرنے والوں سے کہا کہ تم لوگ کس چیز کو تلاش کرتے ہو؟ یہاں فقدان کے معنی طلب ہی کے زیادہ ظاہر ہیں۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب صاف ہے کہ حضور ﷺ اتنی دیر تک گھر سے غائب نہیں رہے کہ آپ کی تلاش کی جاتی۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ ساری رات میں اپنے گھر سے جدا ہی نہیں ہوئے، وہیں رہے، تاکہ اس سے معراجِ منامی یا کشفی پر استدلال کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ گھر سے جدا تو ہوئے مگر زیادہ دیر نہیں لگی جس میں گھر والوں کو پریشانی ہوئی ہو اور تلاش کی نوبت آئی ہو۔ غرض اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کو معراجِ جسمانی ہوئی اور آپ اس جسم سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، اس کا انکار ہرگز نہیں ہوسکتا اور

[1] یہ معنی مجازِ مرسل ہیں إطلاقًا للملزوم علی اللازم، کیوں کہ عادتاً فقدان کے لیے طلب لازم ہیں، اسی بنا پر بعض تفاسیر میں اس کی تفسیر تطلبون سے کی ہے، والتفصیل في حاشیة وعظ "الرفع والوضع".

یقیناً یہ صورتِ عروج حضور کا بڑا کمال ہے، مگر معراج کو ایسی صورت میں منحصر نہ سمجھنا چاہیے اور نہ محض عروجِ آسمانی کے ساتھ حقیقتِ معراج کو مخصوص کرنا چاہیے، بلکہ اس کی حقیقت اس عروج کے علاوہ دوسری چیز ہے اور وہ قربِ الٰہی ہے، جس کی ایک صورت یہ بھی تھی جو حضور کو پیش آئی ہے اور یہ اکمل صورت ہے، مگر اس صورت کے علاوہ ایک دوسری صورت سے بھی اس حقیقت کا تحقق ہوسکتا ہے، کیوں کہ قربِ الٰہی جو حقیقتِ معراج ہے کسی خاص صورت میں منحصر نہیں۔ پس سمجھنا چاہیے کہ قربِ الٰہی کبھی بصورتِ عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورتِ نزول اور کبھی دونوں طرح مجتمع ہو جاتا ہے، چناں چہ حضور ﷺ کو معراجِ عروجی اور نزولی دونوں ہوئی ہیں، اس لیے کہ قربِ الٰہی جیسا کہ بوقتِ عروج آپ کو حاصل ہوا ہے نزول کے وقت بھی حاصل تھا، بلکہ یہ قرب پہلے سے زیادہ تھا جیسا عنقریب آتا ہے، اور بعض انبیا کو صرف عروجی معراج ہوئی ہے، جیسا ادریس علیہ السلام کے متعلق ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾[1] کی تفسیر میں بعض علما نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ زندہ دنیا سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے، اسی کو ایک عارف نے کہا ہے:

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی
کہ ادریس از چنیں مردن بہشتی گشت پیش از ما

پھر اس کے بعد ان کو نزولی معراج نہیں ہوئی۔ اور جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح معراج ہوئی ہے اور اس کے بعد ابھی تک نزول نہیں ہوا، مگر آخر زمانہ میں نزول ہوگا۔ اور یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے۔ اس کو مولانا رومی نے سمجھا ہے، واقعی بڑے محقق ہیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مولانا نے ''مثنوی'' دفتر سوم میں ایک مقام پر حدیث: لا تفضلوني على يونس بن متى کی تفسیر میں لکھا ہے:

گفت پیغمبر کہ معراج مرا
نیست از معراج یونس اجتبا
آنِ من بالا وآن او بنشیب
زاں کہ قربِ حق برون ست از حسیب

[1] مریم: ۵۷۔

قرب تر پائیں بہ بالا رفتن ست
قربِ حق از حبس ہستی رستن ست

اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدیث عام ہے جس میں وہ سب امور داخل ہیں جن میں تفضیل سے وہم تنقیص ہوسکتا ہے۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جن باتوں میں تم کو میری فضیلت اور یونس علیہ السلام کے نقص کا شبہ ہوا اس میں مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو جن میں قصّہ معراج بھی داخل ہے کہ حضور تو ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے آپ کو اس طرح معراج ہوئی اور یونس علیہ السلام عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ظاہر بینوں کو ان کی یہ حالت ناقص معلوم ہوتی ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حالت ناقص نہ تھی، بلکہ یہ یونس علیہ السلام کی معراج تھی جو بصورتِ نزول واقع ہوئی۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو (یعنی ایسی فضیلت جس سے وہم ان کے نقص کا ہو) اور یہ مت سمجھو کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے، یونس علیہ السلام کو نہیں ہوئی ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کو بھی ہوئی۔ مچھلی کے پیٹ میں ان کا جانا یہ بھی معراج ہی تھی، کیوں کہ معراج کی حقیقت ہے قربِ حق اور وہ دونوں جگہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قربِ حق اور صورت سے ہوا، عروجاً بھی اور نزولاً بھی، اور یونس علیہ السلام کو قربِ حق اور صورت سے حاصل ہوا کہ وہ دریا میں غرق ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں رہے، جس کا قصّہ مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور فرمایا کہ ایمان لے آؤ! ورنہ اتنی مدت میں عذاب نازل ہوگا۔ جب وہ مدت قریب آئی تو آپ اس خیال سے کہ یہاں عذاب نازل ہوگا وہاں سے چل پڑے، مگر حق تعالیٰ سے صریح اذن نہیں لیا۔ اور یہاں یہ قصّہ ہوا کہ جب وہ تاریخ آئی، عذاب کی آمد شروع ہوئی، یہ آثار دیکھ کر لوگ گھبرائے اور ایمان پر آمادہ ہوئے اور یونس علیہ السلام کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر ایمان لاویں، یہ نہ ملے تو انھوں نے کہا کہ اگر یونس علیہ السلام نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ ان پر اور حق تعالیٰ پر ایمان لانا تو ممکن ہے، چناں چہ ایمان لے آئے اور عذاب ٹل گیا۔

یونس علیہ السلام لوگوں سے اس بستی کا حال پوچھتے رہتے تھے، جب کسی نے عذاب کی خبر نہ سنائی اور پورا واقعہ معلوم نہ ہوا تو آپ کو خیال ہوا کہ اب اگر واپس بستی میں جاؤں گا تو وہ لوگ جھٹلائیں گے کہ تمہارے قول کے موافق عذاب تو نہ آیا، اس شرمندگی کی وجہ سے واپس نہ ہوئے، بڑھے چلے گئے، راستے میں دریا پڑا اور آپ کشتی میں سوار ہوئے، چلتے چلتے وہ کشتی چکر کھانے لگی۔ ملاح نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا سوار ہے، اس وقت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں بھائی! میں اپنے آقا سے بدون پوچھے بھاگ آیا ہوں، مجھے دریا میں ڈال دو، لوگوں نے ان کی صورت سے نیکی اور بزرگی کے آثار دیکھ کر اس کلام میں شبہ کیا، بالآخر قرعہ اندازی ہوئی، جس میں یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا، چناں چہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝﴾[1] یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی کی تو وہی ہارے، پس لوگوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا، وہاں ایک بہت بڑی مچھلی تھی، اس نے بحکمِ حق آپ کو نگل لیا اور قعرِ دریا میں پہنچی، چالیس دن اس کے پیٹ میں رہے، مگر ہضم نہیں ہوئے، حق تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ مولانا اس کو معراج قرار دے کر فرماتے ہیں:

قرب نے بالا وپستی رفتن است
قربِ حق از حبسِ ہستی رستن است

یعنی حق تعالیٰ کے قرب کی حقیقت مکانی ارتفاع نہیں، بلکہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کی قید سے چھوٹ جائے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر کھالے یہ تو بڑا سستا قرب ہے، جو ایک پیسے کے سنکھیے سے حاصل ہوسکتا ہے، سو یہ قیدِ ہستی سے چھوٹنا نہیں، بلکہ اس میں تو قیدِ ہستی کے موجود ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ خودکشی حرام ہے اور خلاف مرضی حق پر پیش قدمی کرنا قیدِ ہستی یعنی دعوی وزعم استقلالِ ہستی کی علامت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوی ہستی کو چھوڑ دے، اپنے کمالات سے نظر اٹھ جائے، اپنے ارادہ کو ارادۂ حق میں فنا کردے۔ بس یہ ہے قرب کی حقیقت جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اوپر نظر نہ رہے۔ حاصل یہ کہ تم خود ہی قرب

---

[1] صافات: ۱۴۱۔

حق سے اپنے حاجب ہو، اس کو مرتفع کرو، اس کو عارف فرماتے ہیں:

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

اور اس کو حضرت شاہ بوعلی قلندر فرماتے ہیں:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

بلکہ ہمہ تن مشاہدۂ حق میں فنا ہو جائے کہ نہ اپنے کان کو اپنا کان سمجھے، نہ اپنی آنکھ کو اپنی آنکھ سمجھے، بس وہ حال ہو جائے **بي يبصر وبي يسمع**. حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا: **یارب، دلني إلى قرب الطریق إلیك** اے اللہ! مجھے اپنے تک پہنچنے کا نزدیک تر راستہ بتلا دیجیے۔ جواب میں ارشاد ہوا: **یا أبا یزید، دع نفسك وتعالى** یعنی اے بایزید! بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ (یعنی اتباعِ نفس کو)۔ سبحان اللہ! کیا نزدیک راستہ بتلایا گیا ہے! اور یہی مراد ہے صوفیہ کے اس قول میں کہ مرید کو چاہیے کہ شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو ایسا سپرد کر دے **کالمیت في ید الغسال**. یعنی جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ جس طرف چاہتا ہے اس کو پلٹ لیتا ہے وہ کچھ نہیں کہتا، اسی طرح مرید کو ہونا چاہیے کہ شیخ کے ارادے میں اپنی رائے واختیار اور قصد کو فنا کر دے، اور وہ اگر جگا دے تو جاگے، سلا دے تو سو رہے، نفلوں کا حکم کرے تو نفلیں پڑھے، منع کر دے تو چھوڑ دے، بشرطیکہ وہ خلافِ شرع کا امر نہ کرے، اگر شیخ کامل ہے تو وہ ایسا کرنے ہی کیوں لگا؟ اور اگر ناقص ہے تو ایسے شیخ ہی کو سلام کرنا چاہیے۔

جب مرید شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سپرد کر دیتا ہے تو پھر اس کو خدا تعالیٰ کے بھی یہی تسلیم نصیب ہو جائے گی، اور ایک وہ وقت آئے گا کہ یہ آسانی کے ساتھ اپنے ارادہ واختیار کو ارادۂ خداوندی میں فنا کر دے، یہی ہے قربِ حق اور یہی قربِ حق حقیقت ہے معراج کی۔ اور ظاہر ہے کہ قربِ حق تمام انبیا علیہم السلام کو حاصل تھا تو حقیقی معراج سب کو حاصل تھی، گو

بعض کو صوری نہ ہوئی ہو اور ادریس علیہ السلام کو تو ایک قول پر صوری بھی ہوئی ہے اور مولانا رومی کی تحقیق کے موافق یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے، پس ان کو اس طرح قرب ہوا کہ اوپر سے نیچے بلائے گئے اور حضور کو اس طرح قرب ہوا کہ نیچے سے اوپر بلائے گئے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ معراج بصورتِ نزول ناقص ہوا کرے، تاکہ اس بنا پر معراجِ یونسی علیہ السلام کو معراجِ محمدی سے مفضول کہا جاوے، گو دوسرے دلائل سے آپ کی معراج سب معراجوں سے افضل ہے، مگر محض نزول کو ناقص ماننا اس کی بنا نہیں ہے، بلکہ صوفیہ کا تو مقولہ یہ ہے کہ عروج سے نزول افضل ہے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج میں ایک تو آپ کی حالتِ عروجی تھی جب کہ آپ نیچے سے اوپر کو جارہے تھے، اور ایک حالتِ نزولی تھی جب کہ آپ اوپر سے نیچے کو آرہے تھے۔

صوفیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نزولی حالت آپ کی پہلی حالت سے اکمل تھی اور اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں یونس علیہ السلام کے نزول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج پر ترجیح دے رہا ہوں، ہرگز نہیں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کو جو کبھی نزول اور کبھی عروج ہوا ہے تو ان دونوں میں آپ کے عروج سے آپ کا نزول افضل تھا، باقی آپ کا عروج دوسرے دلائل سے ایسا اکمل ہے کہ وہ دوسروں کے نزول سے بھی افضل ہے، مگر اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ نزول فی نفسہ نقص نہیں، غرض حضور کی معراجِ عروجی تو کامل ہے اور آپ کی معراجِ نزولی اکمل ہے، سو ان میں فرق کامل اکمل کا ہے ناقص کامل کا نہیں، کیوں کہ آپ کی جو حالت بھی ہے وہ کمال سے خالی نہیں، گو بعض حالتیں بعض سے زیادہ کامل ہوں، مگر ناقص کوئی نہیں۔ اور آپ کی معراجِ نزولی کا معراجِ عروجی سے افضل ہونا صرف صوفیوں کے قول ہی سے ثابت نہیں، بلکہ اس پر دلائل موجود ہیں۔

ایک دلیل: تو یہ ہے کہ معراج کی غایت حق تعالیٰ نے رؤیتِ آیات بیان فرمائی ہیں، چناں چہ سورۂ نجم میں تو فرمایا ہے ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾[1] اور سورۂ اسرا میں فرمایا

[1] نجم: ۱۸۔

ہے: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ اور ظاہر ہے کہ حضور کو آیات دکھلانے سے دو فائدے ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ آپ کی معرفت زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ آپ خود دیکھ کر دوسروں کو بتلا دیں۔

خلاصہ یہ کہ معراج سے دو مقصود تھے: ایک یہ کہ رؤیتِ آیات وازدیادِ علوم سے آپ کی تکمیل ہو، دوسرے یہ کہ ان علوم سے آپ دوسروں کی تکمیل کریں۔ پہلا فائدہ لازمی ہے اور دوسرا فائدہ متعدی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو وقت فائدۂ متعدیہ کے ظہور کا ہوگا وہ فائدۂ لازمہ کے وقت سے افضل ہوگا، کیوں کہ بعثتِ رسول سے اصل مقصود افادۂ خلائق ہی ہے، نیز دوسروں کی تکمیل سے خود رسول کے درجات میں بھی ترقی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ فائدۂ متعدیہ کا ظہور بعد نزول کے ہوا تو نزول کا عروج سے افضل ہونا ثابت ہوگیا۔

دوسری دلیل: یہ آیت ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝﴾[1] اس کا بیان یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ دنوں نزولِ وحی میں توقف ہوگیا اور کفار نے طعن کیا تو اس سے رسول اللہ ﷺ پر رنج وغم کا اثر ہوا اور آپ پر حالتِ قبض طاری ہوگئی تو بعد میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی اور سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی۔ جس میں اول ان آیاتِ قدرت کی قسم کھائی گئی ہے جن کو اس حالت سے خاص مناسبت ہے، فرماتے ہیں ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝﴾[2] قسم ہے دن کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑ لے۔ اس جگہ رات اور دن کی قسم بہت ہی مناسب ہے، کیوں کہ دن مشابہ ہے حالتِ بسط کے اور رات مشابہ ہے حالتِ قبض کے، وجہ تشبیہ ایک تو یہ ہے کہ حالتِ بسط میں انوار کا توارد ہوتا ہے، اور دن بھی محلِ نور ہے اور حالتِ قبض میں وہ انوار نہیں رہتے تو وہ رات کے مشابہ ہے۔

دوسری یہ کہ جس طرح دن میں کاروبار زیادہ ہوتے ہیں اسی طرح حالتِ بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے اور حالتِ قبض میں کسی کام کو جی نہیں چاہتا، نہ نماز میں دل لگتا ہے، نہ ذکر میں، نہ تلاوت میں، تو قبض میں کام کم ہو جاتا ہے، وہ رات کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی کاروبار بند ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس جگہ رات اور دن کی قسم سے مقام کی یعنی

[1] ضحیٰ:۴۔ [2] ضحیٰ:۱-۳۔

جوابِ قسم ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی O﴾ کی حقیقت بتلادی، جس کا حاصل یہ ہے کہ سالک پر ان دونوں حالتوں کا آنا ایسا ہے جیسے لیل ونہار کا تعاقب، بس جس طرح دن کے بعد رات آجانا غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں، اسی طرح بسط کے بعد کہ تواترِ وحی ہے قبض کا آنا کہ توقفِ وحی ہے غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں، بلکہ جس طرح ہم نے عالم میں لیل ونہار کا اختلاف حکمت کے لیے رکھا ہے، یوں ہی سالک پر بسط وقبض کا تعاقب حکمت کے لیے مقرر کیا ہے، پس قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔

نیز اس میں قبض کی ایک حکمت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح دن میں اگرچہ کاروبار زیادہ ہوتا ہے، مگر مخلوق کی راحت وآرام کے واسطے رات کا آنا بھی ضروری ہے، اگر رات نہ آوے تو کاروبار کا تعب زائل نہ ہوسکے گا، راحت وآرام کے لیے دن موضوع نہیں اس کے واسطے رات ہی کا وقت مناسب ہے، اسی طرح گو بسط میں سالک سے کام زیادہ ہوتا ہے، مگر اس کام کے دوام کے لیے قبض کی بھی ضرورت ہے، اگر ہمیشہ بسط ہی رہے تو ایک نہ ایک دن کام کرتے کرتے اکتا جائے گا، اس لیے ہم قبض کی حالت مسلط کردیتے ہیں، تاکہ یہ زیادہ کام نہ کرے، تھوڑے ہی پر اکتفا کرے اور قدرے آرام مل جائے، پھر قبض رفع ہونے کے بعد جو بسط آئے گا تو اس کو پہلے سے زیادہ نشاط عمل میں ہوگا، اسی طرح پر قبض وبسط کے تعاقب سے یہ ہمیشہ کام کرتا رہے گا۔ اسی کو عارف فرماتے ہیں:

از دستِ ہجر یار شکایت نمے کنم
گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس معنی خیز قسم کے بعد جواب ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی O﴾[1] آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہے۔ آپ بےفکر رہیں، اس میں تسلی تو ہوگئی، مگر یہاں ایک شبہ آپ کو ہوسکتا تھا، وہ یہ کہ گو قبض وبسط لیل ونہار کی طرح متعاقب ہیں اور قبض سے مجھے کچھ تنزل نہیں ہوا، مگر بظاہر بسط اس سے افضل ہے، کیوں کہ

[1] الضحیٰ: ۳۔

موافق للطبع ہے، اس میں کام بھی زیادہ ہوتا ہے، توجہ بھی اس میں عالمِ بالا کی طرف زیادہ رہتی ہے تو بسط میں ترقی زیادہ ہوتی ہوگی، گو قبض میں بھی خود قبض کے سبب سے تنزل نہ ہوتا ہو، مگر ترقی بھی تو بسط کے برابر نہیں ہوتی ہوگی۔ آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝﴾[1] یعنی کل حالة آخرة لك خیر من الحالة الأولی یعنی آپ کی ہر پچھلی حالت ہر پہلی حالت سے افضل ہے، اس لیے زمانۂ قبض کی حالت آپ کی اس بسط کی حالت سے افضل تھی جو اس سے پہلی تھی، اور جب وہ پہلی حالت سے افضل تھی تو اس میں بھی ترقی بند نہیں ہوئی، بلکہ برابر آپ کو ترقی ہو رہی ہے اور یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ واقعۂ تحویلِ قبلہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ جب بیت المقدس سے پھر کعبہ کی طرف قبلہ محول کیا گیا تو بعض صحابہ کو شبہ ہوا کہ جتنے دِنوں ہم نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہے شاید ان میں ثواب کم ملا ہوگا، کیوں کہ تحویل سے معلوم ہوا کہ اصلی قبلہ تو کعبہ تھا اور وہ قبلہ عارضی تھا اور اصلی قبلہ اور عارضی میں فرق ضرور ہے تو جو نمازیں عارضی قبلہ کی طرف ہم نے پڑھی ہیں ان میں کم ثواب ہوا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری طاعاتِ سابقہ کا ثواب کم کر دیں یا ضائع کر دیں، کیوں کہ تم نے تو بہر حال ہمارے حکم کی اطاعت کی ہے، تم کو تو عارضی و اصلی ہونا معلوم نہ تھا، اس لیے ثواب بھی تم کو کم نہیں ملا، بلکہ ان نمازوں میں بھی پورا ہی ثواب ملا ہے۔

اسی طرح حضور کو ارشاد ہے کہ قبض و بسط ہماری طرف سے ہے اور آپ کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں تو آپ کو حالتِ قبض میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے، ترقی میں کمی نہیں، خصوصاً جب کہ ہم نے آپ کو ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾[2] کی تعلیم دی ہے (اور ہمارا یہ دعا تعلیم کرنا علامتِ اجابت ہے) تو آپ کو ہر وقت ترقی ہوتی رہتی ہے اور آپ کی ہر پچھلی حالت پہلی حالت سے افضل ہوتی ہے۔ پس جس بسط کے بعد قبض آیا ہے یہ قبض پہلے بسط سے افضل ہے، اور اس قبض کے بعد جو بسط آئے گا وہ اس قبض سے افضل ہوگا اور حضور کی تو بڑی شان ہے!

---

[1] ضحیٰ: ۴۔ [2] طٰہٰ: ۱۱۴۔

حضراتِ صوفیہ نے ہر عارف کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ عارف کی ہر حالتِ آئندہ ہر حالتِ گزشتہ سے افضل ہوتی ہے، کیوں کہ وہ ہر دم ترقی کرتا رہتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

سیرِ زاہد ہر مہے یک روزہ راہ

سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

غرض جب عارف کو ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے تو اس کو قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے، بلکہ اس کو حالتِ نزول پر محمول کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لے کہ یہ نزول پہلے عروج سے افضل ہے اور اس کے بعد جو عروج ہوگا، یعنی بسط وہ اس نزول سے افضل ہوگا۔ تو اب واقعۂ معراج سے جو سبق ہم کو حاصل ہوا وہ دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ معراج کی حقیقت قربِ الٰہی ہے اور وہ سب انبیا کو حاصل ہے۔ تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے اور کسی نبی کو نہیں ہوئی، نہیں! بلکہ معراج سب کو ہوئی ہے، ہاں! اجمالاً اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج اوروں کی معراج سے افضل واکمل ہے، وہ بھی اس طرح سے کہا جاوے جس میں دوسرے انبیا کی معراج کی تنقیص نہ ہو، بلکہ صرف حضور کی افضلیت واکملیت کا بیان ہو اور معراج ہی کی کچھ تخصیص نہیں، مطلقاً تمام احوال ومقاماتِ انبیا میں تفصیلی فضیلت جب تک منصوص نہ ہو بیان نہ کرنا چاہیے، جیسا عام لوگوں کی عادت ہے۔ اور غضب ہے کہ بعض مصنفین بھی جن پر معقول کا غلبہ ہے اس مرض میں مبتلا ہیں، میرا تو ایسی باتوں سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ مثلاً:

معراج ہی کے بارے میں اجمالاً یہ کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج دیگر انبیا کی معراج سے افضل واکمل ہے، کیوں کہ آپ سید الانبیا ہیں، آپ کو حق تعالیٰ سے جس درجہ قرب ہے وہ سب کے قرب سے بڑھا ہوا ہے اور معراج کی حقیقت قرب ہی ہے اور تفصیل کر کے یوں مت کہو کہ حضور کی معراج یونس علیہ السلام کی معراج سے اس لیے افضل ہے کہ آپ نیچے سے اوپر بلائے گئے اور وہ اوپر سے نیچے بلائے گئے، کیوں کہ میں بتلا چکا ہوں کہ نزول بنفسہٖ وجہِ نقص نہیں، بلکہ نزول تو ہر صاحبِ عروج کا اس کے عروج سے افضل ہوتا ہے، گو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونس علیہ السلام کا نزول حضور کے عروج سے افضل ہو، مگر تاہم یہ تو معلوم ہوگیا کہ نزول فی

نفسہ سببِ نقص نہیں۔ اور اگر نزول کو علی الاطلاق نقص کہا جاوے تو نعوذ باللہ! آپ حق تعالیٰ کے لیے بھی نقص کو ثابت کریں گے، کیوں کہ وہاں بھی نزول ثابت ہے۔ حدیث میں ہے:

ينزل[1] ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا پس نہ عروج علی الاطلاق افضل ہوا نہ نزول، بلکہ جس کو جو عطا ہو جائے وہی افضل ہے۔

ایک سبق تو یہ ہوا اور اس مقام پر چند تنبیہات ہیں:

اول: اوپر سے نیچے آنے کو جو معراجِ نزولی کہا گیا ہے نہ صرف مکان کے اعتبار سے، بلکہ حقیقتِ نزول کے اعتبار سے، مگر اتفاق سے وہ حقیقت اس صورت کے ساتھ مقرون ہوگئی۔

دوم: کسی نبی یا ولی کے کسی عروج کو جو اس کے کسی نزول سے افضل کہا گیا ہے اس سے اس کلیہ میں شبہ نہ کیا جاوے کہ نزول افضل ہوتا ہے، کیوں کہ عروج کا افضل ہونا باعتبارِ بعض خصوصیاتِ مقصودہ کے ہوتا ہے۔

سوم: یونس علیہ السلام کا نیچے جانا نزول کہا گیا ہے اور نزول کی افضیلت باعتبار توجه إلى الخلق للإفادة کے قرار دی گئی ہے، سو اس وقت یہ افادہ کہاں تھا؟ جواب یہ ہے کہ ایک وجہ نزول کے افضل ہونے کی غلبۂ انکسار وافتقار بھی ہے، سو یہ حاصل تھی اور قبض کا انفع ہونا بسط سے اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

دوسرا سبق اس واقعۂ معراج سے سالکین کو یہ حاصل ہوا کہ وہ جو اپنے حالات کا فیصلہ خود کرلیا کرتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے، مثلاً پہلے ذکر میں جی لگتا تھا، خطرات نہ آتے تھے، انوار کی کثرت تھی، اسی کو وہ افضل حالت سمجھتے ہیں، پھر خطرات آنے لگے، انوار میں کمی ہوگئی تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم مردود ہوگئے، خبر بھی ہے کہ وہ عروج کی حالت تھی اور یہ نزول کی حالت ہے۔ اور معراج کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ معراج کبھی عروج سے ہوتی ہے، کبھی نزول سے ہوتی ہے اور دونوں حالتیں مقبول ہیں، پھر تم نزول کو اَدْوَن کیوں سمجھتے ہو؟ بس

[1] أي يتوجه على الخلق، فسمي توجهه إلى الحوادث نزولاً. ومقتضاه أن يصح إطلاق العروج على توجهه تعالى على ذاته وصفاته، ولعل ذلك هو المأخذ لتسمية الصوفية توجه السالك إلى الله تعالى وصفاته عروجا وتوجهه إلى الخلق نزولاً. والله أعلم (جامع)

سالک کی تو یہ حالت ہونا چاہیے:

تو بندگی چوگدایاں بشرط مرد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

چاہے قبض ہو یا بسط ہر حال میں خدا سے راضی رہے اور اپنے لیے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ اگر قبض کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو تو پھر اس کو نزول پر محمول کرنا چاہیے جو کہ صوفیہ کے نزدیک عروج سے افضل ہے، مگر اپنے لیے تجویز اس کو بھی نہ کرے، بلکہ جب بسط عطا ہو تو اسی میں خوش رہے، حق تعالیٰ نے قبض وبسط ونزول وعروج تمہاری مصلحت کے لیے عطا فرمایا ہے، وہی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ ایک عارف فرماتے ہیں:

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است
بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است

ہاں! احتیاطاً کثرتِ استغفار قبض کی حالت میں کرلینی چاہیے، ممکن ہے کہ یہ قبض کسی ظاہری یا باطنی گناہ سے آیا ہو تو استغفار سے اس کا تدارک ہو جاوے گا:

ہرچہ برتو آید از ظلمات وغم
آن زبیباکی وگستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامرِ خالق آمد کارکن

خلاصہ سارے بیان کا یہ ہوا کہ واقعۂ معراج سے ہماری دو غلطیوں کا ازالہ ہوا: ایک تو یہ کہ ہم لوگ مقاماتِ انبیا میں کلام کرتے ہیں، سو ہم کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ تم کبھی اپنے قیاس سے یہ نہ کہو کہ فلاں نبی کا یہ مقام تھا اور یہ مقام دوسرے نبی کو حاصل نہ تھا، تم کو انبیا کے مقامات کی کیا خبر! جو تم یہ فیصلہ کرنے چلے ہو، اس کی وہی مثال ہے کہ لومڑی شیروں کا فیصلہ کرے۔ اور اس کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ اولیا کے مقامات میں بھی گفتگو نہ کرو، کیوں کہ انبیا کی طرح اولیا کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں، آج کل لوگ اس مرض میں بہت مبتلا ہیں، ایک

کہتا ہے کہ میرے پیر کا تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوتا، جاڑے ہوں یا گرمی، سفر ہو یا حضر ہمیشہ اپنے معمولات کو بخوبی پورا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے کے پیر میں یہ کمال نہیں، اس کے معمولات کبھی ناغہ بھی ہو جاتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ میرے حضرت کو خدا کی طرف ایسی توجہ دائم رہتی ہے کہ اس میں کبھی فرق نہیں آتا، ان کو معمولاتِ ظاہری سے معمولاتِ قلبیہ کا زیادہ اہتمام ہے۔

غرض کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، یہ سب خرافات ہے، بس جس سے جس کو نفع ہو رہا ہو اس سے لگا لپٹا رہے، تم کو تفضیل کے لیے کس نے کہا ہے؟ سالکین کو مقاماتِ اولیا میں بھی کلام نہ کرنا چاہیے۔ دوسرا سبق یہ حاصل ہوا کہ سالک اپنے کسی غیر اختیاری حال کو برا نہ سمجھے، بشرطیکہ شریعت پر مستقیم ہو، شریعت پر استقامت کے ساتھ جو حال بھی پیش آئے اس پر راضی رہے اور سب کو عروج و نزول پر محمول کرتا رہے، یعنی کوئی حال عروج ہے کوئی نزول ہے اور دونوں نعمت ہیں۔ اھ ملخصاً۔

فصل سوم

در قصیدہ انوریہ فی مدح خیر البریہ

مترجمہ مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاری

تبارك من أسرى وأعلى بعبده
إلى المسجد الأقصى إلى الأفق[1] الأعلى

بالاتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں سیر کرائی مسجدِ اقصیٰ و افقِ اعلیٰ تک اور بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

إلى سبع أطباق إلى سدرة كذا
إلى رفرف[2] أبهى إلى نزلة أخرى

اور سیر سبع سموات تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے مقامِ رفرف تک جو مزین تھا قربِ باری سے اور پہنچایا مرتبۂ نزولِ باری تک۔

وسوى له من حفلة ملكية
يشهد من آيات نعمته الكبرى

اور مرتب کیا اس ذاتِ اقدس کے لیے ایک فرشتوں کا جلوس، تاکہ آپ خدائے قدوس کے نعمتِ عظمیٰ کے عظیم الشان نشانیوں کا مشاہدہ کریں۔

براق يساوي خطوه مد طرفه
أتيح له واختير في ذلك المسرى

اور اس ذاتِ انور کی سیاحت کے لیے وہ براق منتخب و پسند فرمایا جس کی سبک رفتاری اس کی حدِ نظر تک تھی۔

---

[1] وفي نسخة: الملأ الأعلى. [2] وفي نسخة: إلى جنة المأوى.

وأبـدى لـه طـي الـزمـان فعـاقـه
رويـدا عـن الأحـوال حتـاه مـا أجـرى

زمانہ کی رفتار اور اس کے تغیرات تک کو کچھ دیر کے لیے آپ کے واسطے روک دیا گیا، اس لیے زمانۂ ابتدائے سیاحت وانتہائے سیاحت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔

هـنـا مـوطـن فـوق الـزمـان ثبـاتـه
عـلـى حـالة ليسـت بـه غيـر تتـرى

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس بارگاہِ اعلیٰ میں زمانہ سے بھی بلند تر مقام ہے، جہاں حوادثاتِ کونیہ واختلافات کا قطعی گزر نہیں۔

وكـانـت بـجبـريـل الأمـيـن سفـارة
إلـى قـاب قـوسيـن استـوى ثـم أقصـى

حضرت جبریل امین علیہ السلام کی سفارت قاب قوسین ہی تک رہی، اس لیے آگے وہ نہ چل سکے۔

إذا خـلـف السبـع الـطبـاق ورائـه
وصـادف مـا أولـى لـرتبتـه المولـى

جب کہ اس ذاتِ انور نے سبعِ سماوات کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس جگہ پہنچا جس کو خدائے قدوس نے آپ کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔

نـعـم طـائـر الـقـدس الـمـنـيـع بشـأوه
خـوافيـه تـطـوي مـوطـن السـر أو أخفـى

کیوں نہ ہو جب بارگاہِ قدس کا طائر پرواز کرتا ہے تو اپنے شہ پروں کے ذریعہ تمام مقاماتِ خفیہ وسریہ کو طے کر جاتا ہے جہاں کسی کا گزر نہیں۔

وكـان عيـانـا يـقـظـة لا يشـوبـه
مـنـام ولا قـد كـان مـن عـالـم الـرؤيـا

اور آپ کا یہ مشاہدہ بیداری میں تھا، اس میں نیند وعالمِ رؤیا کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔

قد الشمس الصديق ثم فلم يجد
وصح عن شدّاد البيهقي كذا

(دیکھو) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے ''بیہقی'' میں روایت ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو تلاش کیا تو بستر پر نہ پایا۔

رأى ربه لما دنا بفؤاده
ومنه سرى للعين ما زاغ لا يطغى

جب آپ کو قرب حاصل ہوا تو رب جل جلالہ کی رؤیت نصیب ہوئی، جس کی ابتدا قلب سے ہوئی اور پھر وہاں سے آنکھوں میں سرایت کر کے ما زاغ البصر وما طغى کا مصداق بن گئی۔

رأى نوره أنى يراه مؤمل
وأوحى إليه عند ذلك بما أوحى

بے شک آپ نے نورِ خداوندی کو دیکھا اور اس کی کنہ اور حقیقت کو کہاں کوئی امیدوار دیکھ سکتا ہے! اس وقت خدا نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو اسے منظور تھا۔

بحثنا فآل أبحث إثبات رؤية
لحضرته صلى عليه كما يرضى

ہم نے رؤیتِ باری پر بحث کی اور خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت حق جل وعلا کی رؤیت آپ کو ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اپنی مرضی کے مطابق۔

وسلم تسليما كثيرا مباركا
كما بالتحيات العلى ربه حَيّى

اور ہزاروں آپ پر سلام برکت نازل فرمائے جس طرح معراج میں آپ نے حق جل وعلا پر سلام کے تحائف بھیجے۔

كما اختاره البحر ابن عم نبينا
وأحمد من بين الأئمة قد قوى

ہم نے رؤیتِ باری میں آں حضرت ﷺ کے ابنِ عم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیروی کی ہے، جو امت کے بہت بڑے عالم ہیں اور جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تحقیق کی تقویت کردی۔

فقال إذا ما المروزي استبانه
رآه رأى المولى فسبحان من أسرى

امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب مسئلۂ رؤیت کو پوچھا تو امام برابر ہاں دیکھا، ہاں دیکھا فرماتے رہے، پاک ہے وہ ذات جس نے شب کو سیر کرائی۔

رواه أبو ذر بأن قد رأيته
وأنى أراه ليس للنفي بل ثنيا

ابوذر غفاری نے روایت کی ہے کہ آپ کو رؤیتِ باری ہوئی۔ پھر ان کی أنى أراه روایت کرنا برسبیلِ احتیاط ہے۔

نعم رؤية الرب الجليل حقيقة
يقال لها رؤيا بألسنة الدنيا

ہاں! خداوندِ جلیل کی رؤیت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو دنیا میں رویا کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔

وإلا فمرأى جبريل عوادة
وليس بديعا شكله كان أو أوفى

ورنہ یہ کہنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو یہ تو کوئی عجیب بات نہ ہوئی، آپ ان کو بارہا دیکھتے تھے، نہ یہ کہنا کہ ان کو اصلی شکل میں دیکھا، کوئی نادر امر ہے۔

وذلك في التنزيل من نظم نجمه
إذا ما رعى الراعي ومغزاه قد وفى

قرآن مجید میں سورۂ والنجم کی تفسیر ونظم وترتیب اسی طرح قائم رہ سکتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اگر اس کی آیات کا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔

وكان ببعض ذكر جبريل فانسرى[1]
إلى كله والطول في البحث قد عنى

ہاں! بعض آیات میں ذکر حضرت جبریل علیہ السلام ہی کا تھا جو تمام کی طرف سرایت کر گیا، اسی لیے کلام طویل ہوا اور بحث نے مشقت میں ڈال دیا۔

وكان إلى الأقصى سرى ثم بعده
عروجا بجسم أن من حضرة أخرى

آپ کا مسجدِ اقصیٰ تک جانا اسرا کہلایا اور اس کے بعد آپ نے جسدِ اطہر کے ساتھ عروج فرمایا، ہاں! اس جسمِ پاک نے بوقتِ عروج اس بارگاہ کے مناسب اوصاف اختیار کر لیے۔

عروجا إلى أن ظللته[2] ضبابة
ويغشى من الأنوار إياه ما يغشى

آپ ملأ اعلیٰ کو تشریف لے گئے، وہاں آپ کو انوار و تجلیات کے ابر نے ڈھانپ لیا۔

ويسمع للأقلام ثم صريفها
ويشهد عينا ما له الرب قد سوى

آپ اس مقام پر قلموں کے چلنے کی آواز کو سنتے تھے اور آپ کی چشمِ مبارک اس چیز کو دیکھتی تھی جو آپ کے لیے خدائے قدوس نے تیار کی تھی۔

ومن عض فيه من هنات تفلسف
على جرف هار يقارف أن يردى

جو شخص ایسے امور میں فلسفہ کی رسوائیوں کو دخل دیتا ہے وہ ایسی ڈہانگ کے کنارہ کھڑا ہے جو عنقریب ورطۂ ہلاکت میں گرانے والی ہے۔

كمن كان من أولاد ماجوج فادعى
نبوة بالغي والبغي والعدوى

[1] وفي نسخة: فاستری. [2] وفي نسخة: جللته.

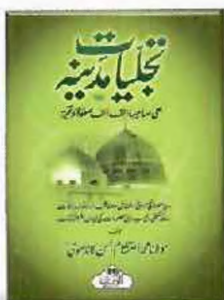
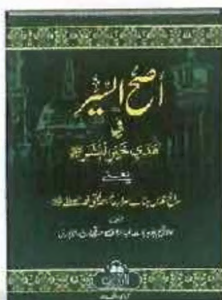
اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اولادِ ماجوج سے ہے اور جس نے اپنی بغاوت وتمر دوسرکشی سے نبوت کا دعوی کیا۔

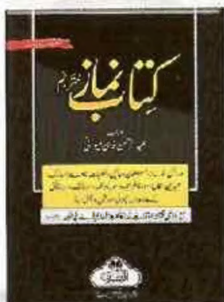
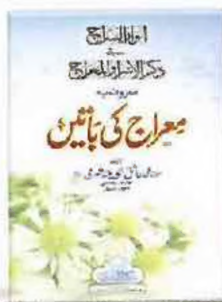
ومن يتبع في الدين أهواء نفسه
على كفره[1] فليعبد اللات والعزى

جو شخص دین میں بھی اپنے کفر وزیغ سے خواہشاتِ نفسانیہ کا مطیع ہو وہ لات وعزی کا پرستار ہے، خدا کا پجاری نہیں ہوسکتا۔

تمت القصيدة الكريمة
وبتمامها تمت الضميمة
ولله المحامد العظيمة
وعلى رسوله صلوات جسيمة

[1] وفي نسخة: على زيغه.


تجلیاتِ مدینہ

أصح السير
في
هدي خير البشر ﷺ

القرآن الكريم

کتابِ نماز

معراج کی باتیں

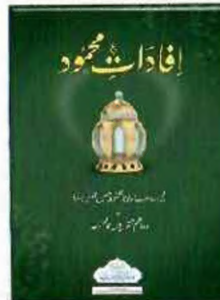
دُنیا و آخرت

جواہر الحدیث

داڑھی کا وجوب
داڑھی کی قدر و قیمت

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

التشبه في الإسلام


افاداتِ محمود